Ested: 2013

ماہنامہ

قندیل اَدب اِنٹرنیشنل لندن

بانی: محترم بشیر احمد رفیق صاحب

مدیر: رانا عبدالرزاق خان www.qindeel-e-adub.com شمارہ: 51 اپریل 2017ء

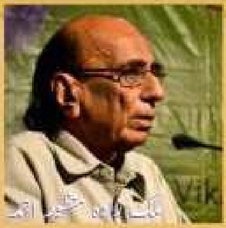

یادِ رفتگاں: بیاد بیدار مغز سخنور و ادیب و معروف ناظم مشاعرہ ڈاکٹر ملکزادہ منظور احمد مرحوم

تاریخ وفات: ۲۲ اپریل ۲۰۱۶

احمد علی برقیؔ اعظمی

سپہرِ ادب کا وہ ماہِ تمام — ملکزادہ منظور تھا جس کا نام
نہیں آج تنہا ہوا وہ غروب — اب اک دور کا ہوگیا اختتام
تھا حاصل اسے سب پہ اوجِ شرف — جہانِ نظامت کا تھا وہ امام
اسے نظم اور نثر پر تھا عبور — ادب میں نمایاں تھا اس کا مقام
جو تھا رونقِ بزمِ شعر و ادب — وہ تھا عمر بھر مرجعِ خاص و عام
تھا تنقید کے اس کی زیرِ اثر — ہے عہدِ رواں کا جو فکری نظام
تھی گرویدہ اس کی عروسِ ادب — جو دیتا تھا مہر و وفا کا پیام
وہ تھا عہدِ حاضر کا بیدار مغز — تھا ترویج اردو میں جو پیشگام
ہے "رقصِ شرر" ایک تاریخ ساز — معاصر ادیبوں پہ اس کا یہ کام
رہیں گے ادیبوں کے وہ خضرِ راہ — گیا چھوڑ کر جو نقوشِ دوام
ہے بائیس اپریل کتنا منحس — لیا ہم سے کس بات کا انتقام
مٹے گا نہ برقیؔ مٹانے سے وہ — دلوں پر ہے جو نقش اس کا کلام

مجلس ادارت

زکریا ورک، امجد مرزا امجد، ایم اے حق بھارت،
خواجہ عبدالمومن ناروے، آصف علی پرویز

بانی رُکن	:	خان بشیر احمد رفیق مرحوم
مدیر	:	رانا عبدالرزاق خاں
معاون مدیر	:	سید حسن خان
مدیر خصوصی	:	سہیل لون
مینجنگ ڈائریکٹر	:	عاصی صحرائی
فوٹوگرافی	:	قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر
آڈیو وڈیو	:	محمد اشرف خاکی

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم،
رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، اے حق یو کے ٹائمز،
ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین،
بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد،
ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا۔ بلا تفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔ جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے ۔قندیل ادب اکثر ممالک میں لاکھوں قارئین تک جاتا ہے ۔اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ادبی فن پارہ کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کردیا کریں تاکہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ شکریہ

رانا عبدالرزاق خاں

فہرست

آپ کے خطوط ۔ اداریہ		2
غزلیات: داغ دہلوی، امجد اسلام امجد، افتخار عارف، محسن نقوی، ہری چند اختر، وسیم بریلوی، محسن نقوی، احمد فراز، صابر ظفر، منیر نیازی، مصطفی زیدی، چودھری محمد علی مضطر عارفی، فرحت عباس شاہ، طاہر عدیم، عام حسنی، رئیس الدین رئیس، محمد اسحاق اطہر، خواجہ عبد المومن ناروے، عذرا ناز ریڈنگ، ارشد شاہین، اتباف ابرک، شاہدہ مجید، اطیب جاذل، احمد منیب، خالد شریف، امان اللہ ساغر، مظفر احمد مظفر، عبدالحکیم ناصف، نعیم رضا، خواجہ مبشر احمد تشنہ، صفدر ہمدانی، عبد الکریم قدسی، ساحر لدھیانوی، اقبال عظیم ۔ خالد عرفان نیویارک۔		3-12
پاکستان کے قیام میں احمدی مشاہیر کا تاریخی کردار	ناصر احمد وینس ٹورنٹو	14
ذیابیطس شوگر، اسباب	محترم کلیم احمد والینسیا	20
ہمسایۂ خدا	منیب احمد	24
پاکستان کے محسن	امجد عباس باجوہ	29
روشنی کا سفر۔ میر صاحب حسن	مدیر ماہنامہ ''تریاق''، ممبئی	30
سنا ہے	عاصی صحرائی	33
کہیں ایسا بھی ہوجاتا	ڈاکٹر سعدیہ بشیر	34
مولانا طاہر اشرفی کا کردار	صاحبزادہ ضیاء الرحمٰن ناصر	36
صحافت کے مولوی عامر لیاقت کی منافقتیں		40
وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ عظیم الشّان قرآنی پیشگوئی	(ڈاکٹر طارق احمد مرزا ۔ آسٹریلیا)	42
قیمتی معلومات۔	ثقلین مبارک	43

––*

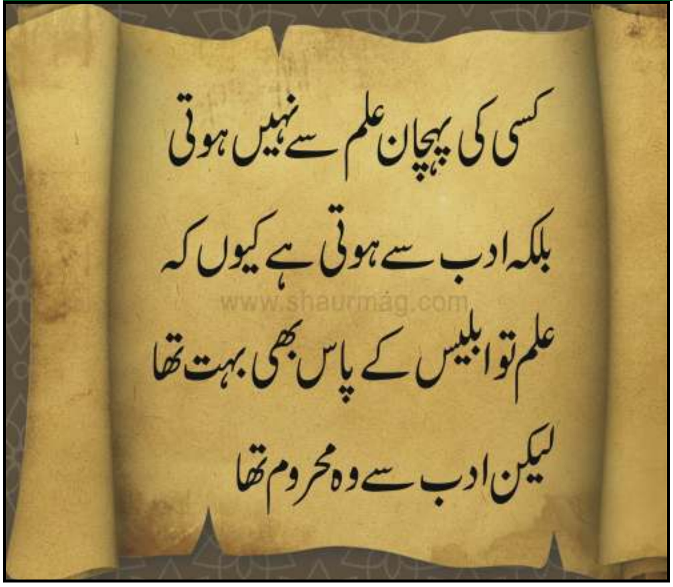

آپ کے خطوط

ادیبہ ومصنفہ محترمہ زبیدہ بشیر قاضی صاحبہ لندن سے رقم طراز ہیں۔

میں ہر ماہ قندیل ادب پڑھتی ہوں ماشاء اللہ بہترین ڈائجسٹ ہے۔کثیر المقاصد ہے۔اردو ادب کی ترقی کا ایک زینہ ہے۔20 پونڈ ارسال خدمت ہیں قبول فرمائیں۔

جناب اقبال چوہدری ٹورانٹو سے لکھتے ہیں:

حسب معمول آپ کی جانب سے فروری ۲۰۱۷ کا شمارہ قندیل ادب ملا۔جس کے لئے شکریہ۔آپ کی ہر شمارے کے شروع کی تاکید کے مطابق فیڈ بیک ضرور دینی چاہیئے۔ایک دو شماروں میں کئی مخصوص لکھاریوں کے ہی نام دیکھنے میں آتے ہیں۔اگر آپ مختلف لکھاریوں کی تحریرات پیش کرنے کی کوشش کریں تو قارئین کو مزید ورائٹی دستیاب ہوجائے گی۔اور تنوع پیدا ہوگا اور نئے لکھنے والے اپنے ساتھ نئے قارئین بھی بڑھائیں گے۔اس طرح رسالے کے لئے سرکولیشن اور مارکیٹنگ کے لئے مزید راہیں کھلنے کا امکان پیدا ہوسکتا ہے۔اگر رائے پسند آئے تو عمل کیجئے۔

جناب صفدر رانا صاحب لندن سے رقم طراز ہیں:

ماہ مارچ کا قندیل ادب بہت اچھا لگا۔اس میں کرنل قذافی کی مہربانیوں کا لیبیائی عوام پر انکشاف ہوا۔اس نے واقعی عوام کی بھلائی کے بہت کام کئے۔مگر عوام احسان فراموش نکلی۔قائد اعظم اور چوہدری سر ظفراللہ خان کے متعلق مضامین بھی بہت اچھے تھے۔بلکہ ’’میں پاکستان ہوں‘‘ بھی ایک اچھا مقالہ تھا۔حقائق کو آج کی عوام بھول چکی ہے۔مگر تاریخ محفوظ رکھتی ہے۔آپ یقیناً ادب کی بہت خدمت کررہے ہیں۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

مسعود چوہدری صاحب جرمنی سے لکھتے ہیں:

اس بار بھی قندیل ادب حسب سابق بہت اچھا تھا۔آپ بے شک بلاتفریق مذہب وملت سب کو اس میگزین میں جگہ دیتے ہیں۔ہر قسم کا ادب بھی ہوتا ہے۔خبریں اور تبصرے بھی۔سبق آموز اور عبرت ناک اقتباسات بھی۔اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی ٹیم کو اس بے لوث خدمت کا صلہ دیتا رہے۔آمین۔

محترم انجینئر محمود مجیب اصغر ریٹائرڈ NesPaK Gm پاکستان سے رقم طراز ہیں۔ آپ کا میگزین قندیل ادب مارچ حسب معمول بہت ہی دلچسپ تھا۔اس دارالمحن میں۔غزلوں کا انتخاب اپنی جگہ۔آصف جاوید کے خیالات حضرت قائداعظم کے متعلق پڑھ کر تکلیف ہوئی۔جوکہ حقیقت پر مبنی نہ تھے۔اگر حضرت قائداعظم ک کا کردار

اداریہ

مرے بچوں میں ساری عادتیں موجود ہیں میری
تو پھر ان بدنصیبوں کو نہ کیوں اُردو زباں آئی

ادب کے فروغ کے لئے ایک دیا جلانے کی کوشش کی تھی تاکہ دیارِ غیر میں ایک ادب کی چھوٹی سی قندیل روشن کروں۔جو اردو ادب کی توسیع کا کام کرسکے۔جنوری ۲۰۱۳ء سے شروع ہونے والی اس روشن قندیل نے کئی اور قنادیل بھی روشن کیں۔جس سے دیارِ غیر میں اردو ادب کی روشنی بڑھ رہی ہے۔مگر یہ روشنی آئندہ آنے والی نسلوں کو اپنی طرف کھینچنے میں ناکام نظر آتی ہے۔اس کی وجہ والدین کی عدم توجہی ہے۔اردو دنیا کی چوتھی بڑی زبان ہے۔ہر ملک میں اس کے بولنے والے موجود ہیں۔مگر اس کی ترویج کے لئے کوئی خاطر خواہ تیار نہیں۔اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کو اردو پڑھایئے۔لکھایئے۔اردو ادب کو زندہ رکھیئے۔جس طرح ہر مسلمان قرآن پڑھانے کے لئے اپنی اولاد کے لئے کوشاں رہتا ہے۔اپنی مادری زبان کے لئے بھی اسی طرح کوشاں رہنا چاہیئے۔کوئی بھی زبان کسی بھی قوم کے کلچر کا سرمایہ ہوتی ہے۔تاریخ ہوتی ہے۔جس میں اقوام کی تاریخ اور ادب کے واقعات محفوظ ہوتے ہیں۔اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ وہ نسل در نسل چلتے رہتے ہیں۔اس طرح یہ سرمایہ محفوظ بھی رہتا ہے۔اور آنے والی نسلوں کو اپنے اکابرین کے اطوار، کلچر اور رہن سہن کا بھی پتہ چلتا ہے ایشیائی اقوام نے شکم پُری کو اسقدر ترجیح دی کہ اپنی زبان تک کو بھلا بیٹھی ہیں۔کسی کا بیٹا وکیل ہے،انجنیر ،ڈاکٹر ہے۔آج تک کسی نے دیارِ غیر میں نئی نسل میں سے ایم اے اردو کرنے کی کوشش نہیں کی۔کیونکہ ان زبانوں کی ترویج روک دی گئی ہے۔حتیٰ کہ پاکستان میں بھی اردو زبان کو اب تک دفتری زبان کا مقام نہیں ملا۔سب انگریزی زبان کی طرف متوجہ ہیں کیونکہ اقوام احساس کمتری میں مبتلا ہو گئیں ہیں۔ہم سب کو اس معاملے کی طرف سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم بحیثیت قوم کدھر جارہے ہیں۔اگر اس طرف توجہ نہ دی گئی تو اردو ادب کا مستقبل مخدوش نظر آتا ہے۔ (رانا عبدالرزاق خان)

ایسا ہی تھا تو کم از کم جماعت احمدیہ کے سربراہ مرزا بشیر الدین احمد ان کو ہرگز سپورٹ نہ کرتے۔بہرحال کسی کا کوئی بھی خیال ہوسکتا ہے۔غلط اور صحیح بھی۔

مکرم ہادی علی چوہدری کنیڈا سے فرماتے ہیں۔

آپ کا میگزین قندیل ادب اُردو کی بے لوث بہت خدمت کررہا ہے۔مجھے ہر ماہ مل جاتا ہے۔میں آپ کی ٹیم کے لئے اور آپ کے دعا گو ہوں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

غزلیات

(داغ دہلوی)

پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے
اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے؟
ابھی سن ہی کیا ہے؟ جو بیتابیاں ہوں
اُنہیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے
نتیجہ نہ نکلا، تھکے سب پیامی
وہاں جاتے جاتے یہاں آتے آتے
نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے
سنانے کے قابل جو تھی بات ان کو
وہی رہ گئی درمیاں آتے آتے
مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
چمن اُڑ گیا آندھیاں آتے آتے
نہیں کھیل اے داغ، یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

مُحسن نقوی

حرفِ رنجش پہ کوئی بات بھی ہوسکتی ہے
عین مُمکن ہے، مُلاقات بھی ہوسکتی ہے
زندگی پُھول ہے، خوشبو ہے، مگر یاد رہے!
زندگی، گردشِ حالات بھی ہو سکتی ہے
ہم نے یہ سوچ کے رکھا ہے قدم گلشن میں!
لالہ و گُل میں تری ذات بھی ہوسکتی ہے
چال چلتے ہُوئے، شطرنج کی بازی کے اُصول!
بُھول جاؤ گے، تو پھر مات بھی ہوسکتی ہے
ایک تو چھت کے بِنا گھر ہے ہمارا مُحسنؔ
اُس پہ یہ خوف، کہ برسات بھی ہوسکتی ہے

امجد اسلام امجد

چاند کے ساتھ کئی درد پرانے نکلے
کتنے غم تھے جو ترے غم کے بہانے نکلے
فصلِ گل آئی، پھر اِک بار اسیرانِ وفا
اپنے ہی خون کے دریا میں نہانے نکلے
ہجر کی چوٹ عجب سنگ شکن ہوتی ہے
دل کی بے فیض زمینوں سے خزانے نکلے
عمر گذری ہے شبِ تار میں آنکھیں ملتے
کس اُفق سے مرا خورشید نہ جانے نکلے
کوئے قاتل میں چلے جیسے شہیدوں کا جلوس
خواب یوں بھیگتی آنکھوں کو سجانے نکلے
دل نے اِک اینٹ سے تعمیر کیا تاج محل
تونے اک بات کہی، لاکھ فسانے نکلے
دشتِ تنہائی ہجراں میں کھڑا سوچتا ہوں
ہا ئے کیا لوگ مرا ساتھ نبھانے نکلے
میں نے امجدؔ اسے بیواسطہ دیکھا ہی نہیں
وہ تو خوشبو میں بھی آہٹ کے بہانے نکلے

افتخار عارف

خزانہ زر و گوہر پہ خاک ڈال کے رکھ
ہم اہلِ مہر و محبت ہیں، دل نکال کے رکھ
ہمیں تو اپنے سمندر کی ریت کافی ہے
تُو اپنے چشمہ بے فیض کو سنبھال کے رکھ
ذرا سی دیر کا ہے یہ عروجِ مال و منال
ابھی سے ذہن میں سب زاویے زوال کے رکھ
یہ بار بار کنارے پہ کِس کو دیکھتا ہے
بھنور کے بیچ کوئی حوصلہ اُچھال کے رکھ
نہ جانے کب تجھے جنگل میں رات پڑ جائے
خود اپنی آگ سے شُعلہ کوئی اُجال کے رکھ
جواب آئے نہ آئے، سوال اُٹھا تو سہی
پھر اس سوال میں پہلو نئے سوال کے رکھ
تری بلا سے گروہِ جنوں پہ کیا گزری
تُو اپنا دفترِ سُود و زیاں سنبھال کے رکھ
چھلک رہا ہے جو کشکولِ آرزو، اس میں
کسی فقیر کے قدموں کی خاک ڈال کے رکھ

ہری چند اختر

ملے گی شیخ کو جنت، ہمیں دوزخ عطا ہوگا
بس اتنی بات ہے جس کے لیے محشر بپا ہوگا
رہے دو دو فرشتے ساتھ اب انصاف کیا ہوگا
کسی نے کچھ لکھا ہوگا کسی نے کچھ لکھا ہوگا

بروز حشر حاکم قادرِ مطلق خدا ہوگا
فرشتوں کے لکھے اور شیخ کی باتوں سے کیا ہوگا
تری دنیا میں صبر و شکر سے ہم نے بسر کر لی
تری دنیا سے بڑھ کر بھی ترے دوزخ میں کیا ہوگا
سکون مستقل دل بے تمنا شیخ کی صحبت
یہ جنت ہے تو اس جنت سے دوزخ کیا برا ہوگا
مرے اشعار پر خاموش ہے جزبز نہیں ہوتا
یہ واعظ واعظوں میں کچھ حقیقت آشنا ہوگا
بھروسہ کس قدر ہے تجھ کو اخترؔ اس کی رحمت پر
اگر وہ شیخ صاحب کا خدا نکلا تو کیا ہوگا

وسیم بریلوی

کتنا دشوار تھا دنیا یہ ہنر آنا بھی
تجھ سے ہی فاصلہ رکھنا تجھے اَپنانا بھی
کیسی ادب نمائش نے لگائی شرارتیں
پھول ہونا ہی نہیں پھول نظر آنا بھی
دل کی بگڑی ہوئے عادت سے یہ اُمید نا تھی
بھول جائیگا یہ ایک دن تیرا یاد آنا بھی
جانے کب شہر کے رشتوں کا بدل جائے مزاج
اتنا آسان تو نہیں لوٹ کے گھر آنا بھی
ایسا رشتوں کا بھرم رکھنا کوئی کھیل نہیں
تیرا ہونا بھی نہیں اور تیرا کہلانا بھی
خود کو پہچان کے دیکھے تو ذرا یہ دریا
بھول جائیگا سمندر کی طرف جانا بھی
جانے والوں کی اس بھیڑ سے کیا ہوگا وسیمؔ
اس میں یہ دیکھئے کوئی مجھے پہچانا بھی

محسن نقوی

میں خود زمیں ہوں مگر ظرف آسمان کا ہے
کہ ٹوٹ کر بھی میرا حوصلہ چٹان کا ہے
بُرا نہ مان میرے حرف زہر زہر سہی
میں کیا کروں کہ یہی ذائقہ زبان کا ہے
ہر ایک گھر پہ مسلط ہے دِل کی ویرانی
تمام شہر پہ سایہ میرے مکان کا ہے
بچھڑتے وقت سے اب تک میں یوں نہیں رویا
وہ کہہ گیا تھا یہی وقت امتحان کا ہے
مسافروں کی خبر ہے نہ دُکھ ہے کشتی کا
ہوا کو جتنا بھی غم ہے وہ بادبان کا ہے
یہ اور بات عدالت ہے بیخبر ورنہ
تمام شہر میں چرچہ میرے بیان کا ہے
اثر دِکھا نہ سکا اُس کے دل میں اشک میرا
یہ تیر بھی کسی ٹوٹی ہوئی کمان کا ہے
بچھڑ بھی جائے مگر مجھ سے بدگمان بھی رہے
یہ حوصلہ ہی کہاں میرے بدگمان کا ہے
قفس تو خیر مقدر میں تھا مگر محسنؔ
ہوا میں شور ابھی تک میری اُڑان کا ہے

احمد فراز

چلو وہ عشق نہیں چاہنے کی عادت ہے
پہ کیا کریں ہمیں اک دوسرے کی عادت ہے
تو اپنی شیشہ گری کا ہنر نہ کر ضائع
میں آئینہ ہوں مجھے ٹوٹنے کی عادت ہے
میں کیا کہوں کہ مجھے صبر کیوں نہیں آتا
میں کیا کروں کہ تجھے دیکھنے کی عادت ہے
ترے نصیب میں اے دل! سدا کی محرومی
نہ وہ سخی، نہ تجھے مانگنے کی عادت ہے
وصال میں بھی وہی ہے فراق کا عالم
کہ اسکو نیند مجھے رَت جگے کی عادت ہے
یہ مشکلیں ہیں تو پھر کیسے راستے طے ہوں
میں ناصبور اسے سوچنے کی عادت ہے
یہ خود اذیتی کب تک فرازؔ تو بھی اسے نہ یاد کر
کہ جسے بھولنے کی عادت ہے

صابر ظفر

آواز کی شاخوں پہ سروں کے ہرے پتے
جب حمد سرا ہوں تو سنیں دوسرے پتے
ساتھ ان کے نہ جائے گا تو جانے گا کوئی کیا
جاتے ہیں کہاں پانیوں پر تیرتے پتے
تجسیم کی تہمت کی پڑے دھوپ نہ مجھ پر
سایہ جو کریں رُوح پہ تجرید کے پتے
دل ٹوٹا جاتا ہے، میں تکتا ہوں جو اُن کو
ہیں ٹوٹتی سانسوں کی طرح ٹوٹتے پتے
وہ جس کی رَگ و پے میں ظفر جوش نمو تھا
نکلا جو چمن سے تو بکھرنے لگے پتے

صابر ظفر

جب اس کے سامنے سقراط کا حوالہ دیا
تو اس نے بڑھ کے مجھے زہر کا پیالہ دیا
وگرنہ مر چکا ہوتا، میں زندہ اس لئے ہوں
کہ دل خدا نے مجھے تجھ پہ مرنے والا دیا
کیا تھا جس نے طلب آخری صحیفہ عشق
فلک نے اس کو ستاروں بھرا رسالہ دیا

سفیر دل نہ ہوئی سرخ روشنی کی لکیر
جلا کے اپنے لہو سے بہت اُچھالا، دیا
عطا کیا مجھے دن بھر اگر نگاہ کا نور
تو شب ستارہ بدن کا مجھے اُجالا دیا
میں اس کی لو کو ستارے کی شکل دے نہ سکا
ہوا میں بجھ کے بکھرنا تھا لا محالہ، دیا
کچھ اور جھیل سکوں دکھ میں زندگی کے ظفرؔ
ہزار بار مجھے موت نے سنبھالا دیا

منیر نیازی

اشکِ رواں کی نہر ہے اور ہم ہیں دوستو
اس بے وفا کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو
یہ اجنبی سی منزلیں اور رفتگاں کی یاد
تنہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو
لائی ہے اب اڑا کے گئے موسموں کی باس
برکھا کی رت کا قہر ہے اور ہم ہیں دوستو
پھرتے ہیں مثل موج ہوا شہر شہر میں
آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو
شام الم ڈھلی تو چلی درد کی ہوا
راتوں کا پچھلا پہر ہے اور ہم ہیں دوستو
آنکھوں میں اُڑ رہی ہے لٹی محفلوں کی دُھول
عبرت سرائے دہر ہے اور ہم ہیں دوستو

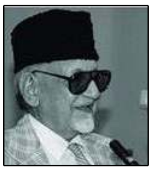

چوہدری محمد علی مضطر عارفی

گھر کے کواڑ زیرِ زباں بولنے لگے
مالک چلے گئے تو مکاں بولنے لگے
دشمن اگر ہماری زباں بولنے لگے
بجھ جائے آگ اور دھواں بولنے لگے
سورج چلا گیا تو اُتر آئی چاندنی
پلکوں پہ روشنی کے نشاں بولنے لگے
وہ سنگدل بھی کوئے ندامت میں جا بسا
پتھر بھی پانیوں کی زَباں بولنے لگے
پہلے خلائے جاں میں خموشی رہی مگر
پھر یوں ہوا کہ کون و مکاں بولنے لگے
نمرود نے جلائی تھی جو آگ، بجھ گئی
آزردگانِ آذرِ جاں بولنے لگے
پانی اُتر گیا تو نظر آئے فاصلے
ساحل سمندروں کی زباں بولنے لگے
دشتِ جنوں میں عقل کا سیلاب آ گیا
اندیشہ ہائے سود و زیاں بولنے لگے
بیتے ہوئے دنوں سے نہ سرگوشیاں کرو
ایسا نہ ہو کہ عمرِ رواں بولنے لگے
کس کی مجال تھی کہ سرِ دار بولتا
بولے ہیں ہم تو تم بھی میاں! بولنے لگے
مضطرؔ! ضمیرِ لفظ کے سُونے مکان میں
وہ حبس تھا کہ وہم و گماں بولنے لگے

مصطفیٰ زیدی

سینے میں خزاں، آنکھوں میں برسات رہی ہے
اس عشق میں ہر فصل کی سوغات رہی ہے
کس طرح خود اپنے کو یقیں آئے کہ اُس سے
ہم خاک نشینوں کی ملاقات رہی ہے
صُوفی کا خدا اور تھا، شاعر کا خدا اور
تم ساتھ رہے ہو تو کرامات رہی ہے
اتنا تو سمجھ روز کے بڑھتے ہوئے فتنے
ہم کچھ نہیں بولے تو تری بات رہی ہے
ہم میں تو یہ حیرانی و شوریدگی عشق
بچپن ہی سے مخبلہ عادات رہی ہے
اس سے بھی تو کچھ ربط جھلکتا ہے کہ وہ آنکھ
بس ہم پہ عنایات میں محتاط رہی ہے
الزام کسے دیں کہ ترے پیار میں ہم پر
جو کچھ بھی رہی حسبِ روایات رہی ہے
کچھ میر کے حالات سے حاصل کرو عبرت
لے دے کے اب اک عزّتِ سادات رہی ہے

فرحت عباس شاہ

یہ نہ سمجھو کہ ٹل رہی ہے شام
اپنے تیور بدل رہی ہے شام
تم نہیں آئے اور اس دن سے
میرے سینے میں جل رہی ہے شام
پھیلتی جارہی ہے تاریکی
ایک دکھ سے نکل رہی ہے شام
زرد سورج چھپا رہا ہے بدن
لحہ لحہ پگھل رہی ہے شام
اوڑھتی جا رہی ہے خاموشی!
ایسا لگتا ہے ڈھل رہی ہے شام
اُس کے ہمراہ چل رہا ہے دن
میرے ہمراہ چل رہی ہے شام
(کتاب۔شام کے بعد اول)

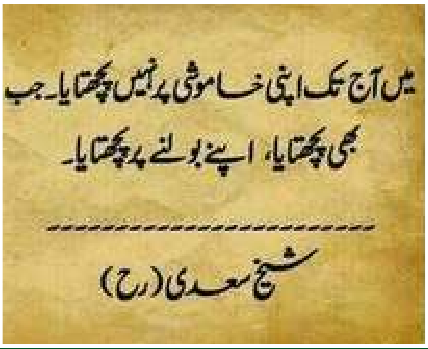

طاہر عدیم

گو ہر اک دل میں جاگزیں تھا میں
اُس سے بڑھ کر نہیں حسیں تھا میں
بیج چاہت کے جڑ پکڑتے تھے
ایک شاداب سی زمیں تھا میں
تو جہاں تھا، نہیں وہاں تھا تو
میں جہاں تھا نہیں، وہیں تھا میں
دشتِ اوہام کے سرابوں میں
ایک بھٹکا ہوا یقیں تھا میں
میری اندر تھا ایک قبرستان
گل اگلتی ہوئی زمیں تھا میں
خود کو دیکھا تھا توڑ کر اک دن
اپنے اندر کہیں نہیں تھا میں

عامر حسنی

'کہانی ختم کرنی ہے'

تو میرے نام سے پہلے
کسی کی ہار لکھ دینا
کسی کا پیار لکھ دینا
ہوا جو ختم تم پر ہے
وہی اظہار لکھ دینا
مری راہوں مری آہوں
میں جو بے چین دکھتی ہے
کبھی اک بار لکھ دینا
تری چاہت میں جو گزرے
وہ لمحے یار لکھ دینا
مگر یہ یاد رکھنا تم
کہانی ختم کرنا، ہاں
بہت دشوار ہے جاناں
بہت مشکل مراحل ہیں
کسی کا نام جو کندہ ہو
دل کے سب کواڑوں پر
کھرچنا اس کو اور
پھر زخم بھرنا ان کواڑوں کے
یا خود کو خون میں لت پت
تڑپتا چھوڑ دینا، تب
کہاں ممکن ہے یہ جاناں
بہت مشکل ہے یہ مانا
کسی کے پیار میں گزرے
ہوئے پل یاد آتے ہیں
کبھی اک پاس میں ہر بار
پھر سے ہونٹ جلتے ہیں
قدم اُٹھے کسی کے ساتھ تھے
سانسوں میں چلتے ہیں
کسی آہٹ پہ ہر ہر گام پر
آہوں میں ڈھلتے ہیں
وہی آہیں کہیں پہروں
ہمیں کتنا رُلاتی ہیں
ہمیں کتنا ستاتی ہیں
کہانی ختم کرنے کا
کوئی قصہ سناتی ہیں
کہانی ختم کرنے سے
کہاں یہ ختم ہوتی ہے
نیا اک موڑ لیتی ہے
ہمیشہ ساتھ چلتی ہے
کبھی تم کو کبھی عامرؔ کو
لے کے بات چلتی ہے

غزل

حیرتِ عشق سے نکلوں تو کدھر جاؤں میں
ایک صورت نظر آتی ہے جدھر جاؤں میں
یہ بھی ممکن ہے کہ ہر سانس سزا ہو جائے
ہو بھی سکتا ہے جدائی میں سنور جاؤں میں
یوں مسلسل مجھے تکنے کی نہ عادت ڈالو
یہ نہ ہو آنکھ جو جھپکو تو بکھر جاؤں میں
کیا ترے دل پہ قیامت بھی بھلا ٹوٹے گی
گر تجھے دیکھ کے چپ چاپ گزر جاؤں میں
دیکھو انجام تو دینے ہیں امورِ دنیا
جی تو کرتا ہے ترے پاس ٹھہر جاؤں میں
تھام رکھا ہے جو تُو نے تو سلامت ہے بدن
تُو اگر ہاتھ چھڑا لے تو بکھر جاؤں میں
جس قدر بگڑا ہوا ہوں میں یہی سوچتا ہوں
کب ترے ہاتھ لگوں اور سُدھر جاؤں میں
کون ہے، بول مرا، میری اداسی ! تجھ بن
تُو بھی گر پاس نہ آئے تو کدھر جاؤں میں
یہ مری عمر فقط چاہ میں تیری گزرے
مر نہ جاؤں جو ترے دل سے اُتر جاؤں میں

غزل

کیا پوچھتے ہو تیرے ہجر میں کیا سوچتے ہیں
سجا کے تم کو نگاہوں میں سدا سوچتے ہیں
تیرے وجود کو چھو کر جو گزری ہے کبھی
ہم اس ہوا کو بھی جنت کی ہوا سوچتے ہیں
یہ اپنے ظرف کی حد ہے کے فقط تیرا لحاظ
تیرے ستم کو مقدر کا لکھا سوچتے ہیں

میرا اس شہر عداوت میں بسیرا ہے جہاں
لوگ سجدوں میں بھی لوگوں کا برا سوچتے ہیں
کس قدر ہم بھی ہیں نادان محبت میں
تیرے اخلاص کو ہم تیری وفا سوچتے ہیں

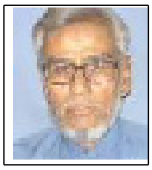

رئیس الدین رئیس

ہوا نم ناک ہوتی جا رہی ہے
حویلی خاک ہوتی جا رہی ہے
دریچہ کھولتے ہی تھم گئی ہے
ہوا چالاک ہوتی جا رہی ہے
ہمارے حوصلوں کے آگے مشکل
خس و خاشاک ہوتی جا رہی ہے
لہو کے ہاتھ دھوئے جا رہے ہیں
ندی ناپاک ہوتی جا رہی ہے
نئی تہذیب سے یہ نسلِ نَو اب
بہت بے باک ہوتی جا رہی ہے
سمندر تھام لے موجوں کو اپنی
زمیں تیراک ہوتی جا رہی ہے
محبت نفرتوں کے بیچ پل کر
بڑی سفّاک ہوتی جا رہی ہے
بہ فیضِ شاعری شہرِ ہنر میں
ہماری دھاک ہوتی جا رہی ہے

خواجہ عبدالمومن

استفادہ کرتے کرتے رہ گئے
دائرے میں اپنے چلتے رہ گئے
دل میں آیا تھا مرے جو بھی خیال
بات دل کی کہتے کہتے رہ گئے

عشق کا دریا بھی کرنا تھا عبور
عشق کی کشتی میں بیٹھے رہ گئے
وقت جب آیا وصالِ یار کا
اپنے بستر میں ہی سوتے رہ گئے
وہ جو دنیا کو بناتے تھے خدا
وقتِ رخصت ہاتھ ملتے رہ گئے
جو تکبر سے گراتے تھے ہمیں
اپنی قسمت پر وہ روتے رہ گئے
شجرِ طیب پھولتا پھلتا رہا
اور دشمن سارے جلتے رہ گئے

محمد اسحاق ـ اطہر

ہے نہیں فریاد لب پہ عاشق بیتاب کے
کچھ نہ سُن پاؤ گے منہ سے عشق میں غرقاب کے
مصلحت کے بند بھی باندھے اگر عقلِ سلیم
یہ نہیں ٹھہرے گی آگے عشق کے سیلاب کے
کچھ خبر تجھ کو ہے عاقل کہ ہے یہ عشق کیا
عقل آجاتی ہے عاجز سامنے گرداب کے
پھول پرسرسوں کے ہمیں لگتے ہیں اچھے اسلئے
یاد آجاتے ہیں نظارے ہمیں پنجاب کے
اپنی کس خوبی پہ ہی اِترا رہے ہو ہر گھڑی
کونسے ہیں پَر لگے اطہرؔ تمھیں سُرخاب کے

خدا سے دیکھو کتنا ڈر رہا ہوں
تجوری جیب دونوں بھر رہا ہوں
میرا بھائی ہے بھوکا تین دن سے
میں چوتھی بار عمرہ کر رہا ہوں

نمازی ہوں میں پکّا پنجگانہ
مگر جھوٹی تجارت کر رہا ہوں
میں مسجد سنگِ مرمر کی بنا کر
پڑوسی کے مکاں کو ڈھا رہا ہوں
شریعت کی حفاظت، میرا مقصد
طریقِ کُفر پر میں چل رہا ہوں
وراثت بہن کی چپکے سے کھا کر
معافی کا بہانہ کر رہا ہوں
جو ہو شادی تو سودی قرض لے لوں
نمود و نام پر میں مر رہا ہوں
نبیؐ کی زندگی کو ترک کر کے
نبیؐ سے محبت سچی کر رہا ہوں
یہ چاہت ہے کہ کافر ہوں مسلماں
مگر اسلام سے خود ڈر رہا ہوں
میرے اللہ مجھ کو معاف کرنا
یہ کس کی پیروی میں کر رہا ہوں؟

عذرا ناز، ریڈنگ

سحر جس کا اِس دِل پہ چھایا ہوا ہے
وہ نس نس میں میری سمایا ہوا ہے
مرے ساتھ اب چاند بھی جاگتا ہے
ترے غم کا وہ بھی ستایا ہوا ہے
نہ کرنا کبھی وار مہماں پہ اپنے
جسے تم نے گھر میں بلایا ہوا ہے
نہ چھوڑے گا پیچھا کبھی تیرا ماضی
نشاں تو نے جس کا مٹایا ہوا ہے
لگی ہے مجھے بددعا اس کی شاید
کہ دل میں نے جس کا دکھایا ہوا ہے

ہمیں چاہئیے صرف اس پر ہی چلنا
جو رستہ خدا نے دکھایا ہوا ہے
مہکتا ہے سانسوں بن کے وہ خوشبو
جسے دھڑکنوں میں بسایا ہوا ہے

ارشد شاہین

مری مجبوریوں کو جان لیتا
تو کیا وہ بات میری مان لیتا
سرِ دشتِ طلب رُکتا تو کیسے
بھلا کس کس کا میں احسان لیتا
پلٹ کر سوچتا ہوں خاکِ دنیا
بچی تھی جو اُسے بھی چھان لیتا
بتا دنیا ! تری اوقات کیا تھی
تجھے پانے کی گر میں ٹھان لیتا
تری آواز تو آتی کہیں سے
میں چل پڑتا، نہ کچھ سامان لیتا
ذرا سی چوک ہو جاتی تو دشمن
مرا خنجر مجھی پر تان لیتا
اگر احساس کچھ ہوتا دلوں میں
تو جان انسان کی انسان لیتا
وفا پراُس کی ،شک ہوتا تو اُس سے
کوئی وعدہ، کوئی پیماں لیتا
اکیلے میں اگر ملتا وہ مجھ سے
تو ممکن ہے مجھے پہچان لیتا
مقدر یاور کرتا تو ارشدؔ
کوئی مجھ کو نہ یوں آسان لیتا

اتباف ابرک

عجب اک پردہ حائل ہے جو سرکایا نہیں جاتا
بہت سیدھی سی باتوں کو بھی سمجھایا نہیں جاتا
کبھی تھا فخر یہ خود پہ کہ میر کارواں ہم ہیں
لٹے پھر قافلے ایسے کہ اِترایا نہیں جاتا
بہت وعدے ہوئے ہم سے، مداوا لازمی ہو گا
مگر یہ وقت ہے وہ قرض لوٹایا نہیں جاتا
بہاریں جب نہیں اپنی تو پھر کیا آرزو رکھنا
یہ گلشن مانگے کی خوشبو سے مہکایا نہیں جاتا
نہ جانے کیوں سبھی رشتے ہوئے جاتے ہیں غرقاب
کہ دوری دو قدم کی ہو تو بھی آیا نہیں جاتا
کسی سے مشورہ کیسا کسی سے پوچھنا کیا اب
ہنر ایسا محبت جو کہ بتلایا انہیں جاتا
مرے صیاد سے کہہ دو نہیں اب لوٹنا ممکن
سمندر میں گرے قطرے کو پھر پایا نہیں جاتا
اب آگے ڈھونڈتے ہو کیا مجھے تم اس کہانی میں
میں وہ کردار جو انجام تک لایا نہیں جاتا
کہیں گے کیا مجھے اپنے کہے گا یہ زمانہ کیا
ہو ابرکؔ سچ اگر لکھنا تو گھبرایا نہیں جاتا

اطیب جاذل

کوئی یقین دلا حالتِ گماں سے نکال
غمِ حیات کو بڑھتے ہوئے زیاں سے نکال
پھر اس کے بعد جہاں تو کہے گزاروں گا
بس ایک بار ذرا کربِ جسم و جاں سے نکال
میں عین اپنے ہدف پر لگوں گا شرط لگا
ذرا سا کھینچ مجھے اور پھر کماں سے نکال
میں اپنی جسم کے اندر نہ دفن ہو جاؤں
مجھے وجود کے گرتے ہوئے مکاں سے نکال
بلا رہی ہے تجھے بھی ہوس کی شہزادی
تو اپنے آپ کو اس لمحۂ رواں سے نکال
اے ڈالیوں پر نئے پھل اُگانے والی دعا
مرے شجر کو بھی اس حالتِ خزاں سے نکال

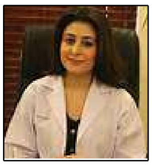

شاہدہ مجید

آتشِ دید کے حدت سے دہکتا سورج
روز اس شوقِ تماشا میں نکلتا سورج
میرے پیروں تلے ہے دشت کی جلتی ہوئی ریت
اور سر پر ہے میرے آگ اُگلتا سورج
اس تب و تاب سے آنکھیں نہیں خیرہ ہوں گی
مجھ کو مرغوب نہ کر پائے گا چڑھتا سورج
اپنی ہی آگ میں جل جل کر نکھر جاتا ہے
کندنی رُوپ میں ڈھل جاتا ہے ڈھلتا سورج
روز محشر اتر آئے گا سوا نیزے پر
گرمئ شوقِ نظارہ سے پگھلتا سورج
شکر صد انسان کے قابو میں نہیں ہے
دھوپ بوتل میں جو بھر سکتی تو بِکتا سورج
پیاس اتنی ہے کہ پی جائے گا ہر شئے کو
العطش پھر بھی پکارے گا سلگتا سورج

احمد منیبؔ

اک عجب سے ملال میں رہنا
نظریاتی جمال میں رہنا
دسترس ہر جواب پر رکھنا
عالمِ بے سوال میں رہنا

وصل اور وصل کی تمنا کا
گردشِ ماہ و سال میں رہنا
آگہی کا عذاب پا لینا
نشۂ لازوال میں رہنا
کرکے رکھنا اَسیر لفظوں کو
حرف و حِس کے کمال میں رہنا
جانچ رکھنا ہے قامتِ گل کو
خود قلندر کے حال میں رہنا

خالد شریف

رُخصت ہوا تو بات میری مان کر گیا
جو اُس کے پاس تھا وہ مُجھے دان کر گیا
بچھڑا کچھ اِس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا
دِلچسپ واقعہ ہے کہ کل اِک عزیز دوست
اپنے مُفاد پر مُجھے قُربان کر گیا
کتنی سُدھر گئی ہے جُدائی میں زندگی
ہاں وہ جفا سے مُجھ پر تو احسان کر گیا
خالدؔ میں بات بات پہ کہتا تھا جس کو جاں
وہ شخص آخرش مجھے بے جان کر گیا

مظفر احمد مظفر

آمدِ فصلِ بہاراں نہیں جینے دیتی!
وسعتِ چاکِ گریباں نہیں جینے دیتی!
حسرتِ دیدہ نمناک رُلاتی ہے مجھے !
یادِش عمرِ گریزاں نہیں جینے دیتی !
قیدِ گیسو سے رہائی کا نہیں ہے امکاں !
خوشبوئے زلفِ پریشاں نہیں جینے دیتی !
کُنجِ تنہائی میں یوں شکوہ بلب بیٹھا ہوں !
تنگ گورِ غریباں نہیں جینے دیتی !
جان لیوا ہے مظفرؔ یہ تغافل اُنکا
تیرگی شبِ ہجراں نہیں جینے دیتی !

امجد مرزا امجد

دیتے ہیں وہ لوری ہمیں سونے نہیں دیتے
کرکے الم کی بات وہ رونے نہیں دیتے
اعزاز سے دیتے تو ہے حق، رائے کا مجھے
مجھ کو مگر وہ بااثر ہونے نہیں دیتے
ہوتی ہے تلخ بات جو کہ ہے صحیح صحیح
ہر چند ہم اوصاف کو کھونے نہیں دیتے
وہ صبر میرا جبر سے گو تولتے تو ہیں
وہ ہم وزن ضمیر کو ہونے نہیں دیتے
ان کو ہے یہ یقین کہ چھلکے گی چشم تر
ہم بھی نگہ کو اشک سے دھونے نہیں دیتے
دل میں سارے زخم ہی محفوظ ہو گئے
اشعار ہیں کہ مندمل ہونے نہیں دیتے
امجدؔ ہے میری نیند کا دشمن مرا شعور
الفاظ میں جو درد ہیں سونے نہیں دیتے

عجب دنیا ہے
ناشاعر یہاں پر
سر اٹھاتے ہیں

جو شاعر ہیں وہ محفل میں دری چادر اُٹھاتے ہیں
تمہارے شہر میں میت کو سب کاندھا نہیں دیتے
ہمارے گاؤں میں چھپر بھی سب مل کر اُٹھاتے ہیں
انھیں فرقہ پرستی مت سکھا دینا کہ یہ بچے
زمیں سے چوم کر تتلی کے ٹوٹے پر اُٹھاتے ہیں
سمندر کے سفر سے واپسی کا کیا بھروسہ ہے
تو اے ساحل خدا حافظ، کہ ہم لنگر اُٹھاتے ہیں
غزل ہم تیرے عاشق ہیں مگر اس پیٹ کی خاطر
قلم کس پر اُٹھانا تھا قلم کس پر اُٹھاتے ہیں
برے چہروں کی جانب دیکھنے کی حد بھی ہوتی ہے
سنبھلنا آئینہ خانوں، کہ ہم پتھر اُٹھاتے ہیں

امان اللہ ساغر

دریا نہیں تو کیا ہوا قطرہ تو میں بھی ہوں
اے بحرِ بیکراں ترا حصہ تو میں بھی ہوں
حسنِ تماش گاہ میں گم ہیں تماش بین
ان کو خبر نہیں کہ تماشہ تو میں بھی ہوں
مجھ کو تو خاکساری دل و جاں سے ہے عزیز
میں جانتا ہوں خاک کا پتلا تو میں بھی ہوں
قطروں میں بٹ گیا ہوں الگ بات ہے مگر
تجھ کو بھی یہ خبر ہے کہ دریا تو میں بھی ہوں
محفوظ پھر بھی کتنے ہیں شدت کی دھوپ سے
گرتی ہوئی فصیل کا سایہ تو میں بھی ہوں
مجھ کو بھی کاٹتی ہے مسائل کی تیز دھار
دریائے زندگی کا کنارہ تو میں بھی ہوں
پیتا ہوں میں شرابِ سخن جامِ فکر سے
ساغرؔ اسیرِ لذتِ بادہ تو میں بھی ہوں

ممکن تو ہے لیکن
کسی صورت نہیں کرتے اظہر

ہم دل زدہ اظہارِ محبت نہیں کرتے
اے جان طلب کرتے ہوئے دشت، ادھر آ
اس بستی کے سب لوگ سخاوت نہیں کرنے
یہ کارِ محبت تو ہے پھر کار محبت

ہم لوگ تو ویسے بھی تجارت نہیں کرتے
سچ بات کہوں یا میں ترا نام چھپاؤں
کس حال میں احباب ملامت نہیں کرتے
صحرائی قبیلے سے تعلق ہے ہمارا
ہم وحشی بگولوں کی اطاعت نہیں کرتے
لوگو تمہیں سو مرتبہ سمجھایا تھا ہم نے
خوشبوئے گریزاں سے محبت نہیں کرتے
یہ جگنو بہت قابل تعظیم ہیں اظہرؔ
کچھ بھی ہو اندھیروں کی حمایت نہیں کرتے

غزل

مجھے اک خوبصورت دوست کی فوری ضرورت ہے
صباحت خیز رنگت ہو بادِصبا سی چال رکھتی ہو
بڑا شاداب چہرہ ہو سنہرے بال رکھتی ہو
وہ کالی جھیل سی آنکھیں شفق سے گال رکھتی ہو
اُدھوری شام رہتی ہو لب و رُخسار میں اُس کے
کوئی اقرار شامل ہو کہیں انکار میں اس کے
وہ چائے بھی بناتی ہو قرینے سے سلیقے سے
اسے شرمانا آتا ہو مگر اچھے طریقے سے
قلوپطرہ سے لب ہوں مسکراہٹ مونا لیزا سی
دوپٹے بھولتی پھرتی ہوئی الھڑ دوشیزہ سی
کوئی مستانی لڑکی ہو کوئی دیوانی لڑکی ہو
کئی کہسار و دریا ہوں کنارِ خواب تک اس کے
مسلسل چلتے رہنا ہو کنارِ خواب تک اس کے
ملائم نرم و نازک ساتھ کی فوری ضرورت ہے
کسی تازہ حنائی ہاتھ کی فوری ضرورت ہے
کسی اخبار میں دیتا ہوں جا کر اشتہار اپنا
مجھے اک خوبصورت دوست کی فوری ضرورت ہے

فی البدیہہ نمکین اشعار برمصرعِ
عبدالحکیم ناصف

پیسے مرے دبائے، کئی سال ہوگئے
ماموں مجھے بنائے، کئی سال ہوگئے
سبزی کبھی پکی ہے، کبھی دال پک گئی
بکرے کا گوشت کھائے،کئی سال ہوگئے
پھجّا کہا مجھے مرے یاروں نے ایک بار
کھائے نہ ہم نے پائے، کئی سال ہو گئے
اپنے وطن کی رقم جہاں میں اِدھر اُدھر
پانامیے دبائے، کئی سال ہوگئے
ہم سے لیے تھے ووٹ، وزارت بھی مل گئی
پھر لوٹ کر نہ آئے، کئی سال ہو گئے
جو سر پھرے نہیں تھے ، سبھی نے گرا لیے
سر پھر نہیں اٹھائے، کئی سال ہو گئے
چہرے بدل بدل کے وہی لوٹ آتے ہیں
اُلّو ہمیں بنائے، کئی سال ہوگئے
بیگم! پڑا ہے سخت بہت ، سرد بھی بہت
تو کیا اسے بنائے، کئی سال ہوگئے؟
اپنا بھی کیا کبھی انھیں گھر یاد آئے گا؟
مہمان گھر میں آئے، کئی سال ہوگئے

خواب
خواجہ مبشر احمد تشنہ

کل رات چاند سے جو میری گفتگو ہوئی
ٹوٹے ہوئے اک خواب کی پھر جستجو ہوئی
میں نے بجھا دئے تھے اشکوں سے سب چراغ
اک چنگاری اُس کی یاد کی کیوں رُو برو ہوئی
اُلفت میں میری جان کیا معجزہ ہوئی
آنچل کو تیرے چھو کے ہوا بھی عدو ہوئی
من کی قبا تھی تار تار چاروں طرف میرے
پھر آئی اُس کی یاد تو، دل کی رفو ہوئی
تشنہؔ وہ دسترس سے تیری دُور ہو گئی
قوسِ قزح کو اوڑھ کر گلشن کی بُو ہوئی

نعیم رضا

کبھی یوں بھی آ میرے روبرو
تجھے پاس پا کے میں رو پڑوں
تجھے منزل عشق پہ ہوں یقیں
تجھے دھڑکنوں میں سنا کروں
کبھی سجا لوں تجھ کو آنکھوں میں
کبھی تسبیحوں میں پڑھا کروں
کبھی چوم لوں تیرے ہاتھوں کو
کبھی تیرے دل میں بسا کروں
کبھی یوں بھی آ میرے دل میں روبرو
تجھے پاس پا کے میں رو پڑوں

وکالت
صفدر ہمدانی

عشق شبیر کی یہ وکالت کریں
نام شبیر پہ یہ عداوت کریں
جشن میلاد پر بھی سیاست کریں
فائدے کو ہی ذکرِ خلافت کریں
کرتے ہیں کس یقیں سے شفاعت کی بات
ہاں حکومت صحافت عدالت کی بات
اس نظامِ حکومت میں حکمت کہاں
مفلسوں کی غریبی میں عزت کہاں
گُم ہوئی ہے بتاؤ عدالت کہاں
کھو گئی نفرتوں میں محبت کہاں

کیا مسافر کرے گا مسافت کی بات
ہاں حکومت صحافت عدالت کی بات
ظلم سے مسجدوں کو خریدا گیا
بے دھڑک واعظوں کو خریدا گیا
مفت میں مفتیوں کو خریدا گیا
بے نسب شاعروں کو خریدا گیا
ہاں حکومت صحافت عدالت کی بات

راہ ہدایت
صفدر ہمدانی

یہ ہدایت سے راہ ہدایت سے دور
روشنی کے ہیں دشمن دیانت سے دور
باخدا ایسے حاکم سیادت سے دور
یوں تو قائد ہیں لیکن قیادت سے دور
سب ملمع ہے ان کی شرافت کی بات
ہاں حکومت صحافت عدالت کی بات
ہے فریب نظر ان کی تحریر میں
جھوٹ ہی جھوٹ ہے سارا تقریر میں
حد سے اپنی تجاوز ہیں تشہیر میں
کھوٹ ہی کھوٹ ہے خواب کی تعبیر میں
ہے عبث بات ان سے طہارت کی بات
ہاں حکومت صحافت عدالت کی بات
یہ نمازی بھی ہیں اور ریا کار بھی
قاتلان عوام اور سردار بھی
ہیں عمل میں عوام ہی سے بیزار بھی
خود ہی مخدوم بھی خود ہی سردار بھی
ڈھونگ ہے اک درد تلاوت کی بات
ہاں حکومت صحافت عدالت کی بات
اب صحافت بھی ان کی غلامی میں ہے
جیسے فطرت بھی ان کی غلامی میں ہے
شاید اُمت بھی ان کی غلامی میں ہے
کیا عدالت بھی ان کی غلامی میں ہے؟
ان کے حق میں ہر اک تفاوت ہے
ہاں حکومت صحافت عدالت کی بات
اعتکاف اور حج، خرچ سرکار کا
فائدہ کیا مدینے کے دربار کا؟
بے اثر ہے سفر ایسے زوار کا
دین دھوکہ ہے بس ایسے دیں دار کا
اک دکھاوا ہے صفدرؔ عبادت کی بات
ہاں حکومت صحافت عدالت کی بات

رڈّالفساد
عبدالکریم قدسی

امن کو بامراد ہونے دے
یارو! رڈّ الفساد ہونے دو
جس میں آکے درندے چھپتے ہیں
کھیت وہ بے کماد ہونے دو
گولی، بارود جیکٹوں کے خلاف
لوگو! اب تو جہاد ہونے دو
جہل کی فصل پہلے راکھ کرو
جو بھی ہو اس کے بعد ہونے دو
سیدھے ہو جائیں گے یہ ٹیڑھے لوگ
وقت کو بس خراد ہونے دو
راستہ روک کر اندھیروں کا
روشنی زندہ باد ہونے دو
ہم نے قنبر کا ساتھ دینا ہے
ان اب زیاد ہونے دو
خاک کو خاک مان کر قدسیؔ
ہم فقیروں کو شاد ہونے دو

پھاٹک ریل دا
عبدالکریم قدسی

ایہہ وی بدیانت کھیل دا
بند کر دتا جو پھاٹک ریل دا
دوہاں پاسے لوک قیدی ہوگئے
ریل دا اے یا پھاٹک جیل دا
رہے گی آباد ربوہ دی زمیں
بھاویں ایتھے کھوہ نہیں کوئی تیل دا
لکھ طوفاناں دا ہووے زور شور
رب تعالیٰ بیڑیاں نوں ٹھیل دا
حملہ آور بھاویں ودھ رستم توں ہون
رب اوہناں نوں ویلنے وچ ویل دا

نام لینا پڑ گیا۔عبدالکریم قدسی

پوچھا مہمانوں سے ایک اینکر نے یہ، کہ نام لیں
اک دیانت دار افسر کا ، نہ کہ دس بیس کا
پھر وہاں اک احمدی کا نام لینا پڑا
نام تھا وہ میرے پیارے کنور ادریس کا

آسکر ایوارڈ۔عبدالکریم قدسی

آسکر ایوارڈ جیتا مہر شالہ نے جو آج
نقش تھا اس کی انگوٹھی میں الیس اللہ کا تاج
سطوتِ مہدی کے پرچم کو رکھیں گے سر بلند
لیں گے ہر میدان میں قدسی عقیدت کا خراج

دیس کا ملاں

چھوڑتے جاتے ہیں میرے دوست شہر کو
میں بتاتا ہوں ہوا کیا ہے ہمارے شہر کو
آگ اپنے گھر کے چولہے کی جلانے کے لئے
دیس کا ملاں جلا دیتا ہے سارے شہر کو

خونِ جگر سے اِس کے سجائیں گے بام و دَر

پاکستان کے قیام میں احمدی مشاہیر کا تاریخی کردار

ناصر احمد وینس
ٹورنٹو

’’قراردادِ پاکستان‘‘ کے مسودے کا اصل خالق کون؟...اوّلین وزیرِ خارجہ پاکستان چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان!!!

23 مارچ کا دن مسلمانانِ ہند کیلئے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس روز قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلمانانِ ہند نے اپنے لئے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) کی قرارداد پاس کی جسکے نتیجہ میں سات سال بعد پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

جدوجہد آزادئ وطن میں یوں تو ان گنت کلمہ گوؤں نے اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ مگر زیرِ نظر مضمون میں بطورِ خاص جماعتِ احمدیہ کی مساعئ جلیلہ کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ اسکی وجہ یہ کہ وہ کانگریس کے ہمنوا احراری و دیگر علماء، جو ہمیشہ تحریکِ پاکستان کے مخالف رہے اور جنہیں قائداعظم نے ’’کانگرس کے سدھائے ہوئے پرندے‘‘ قرار دیا تھا۔ اِن دنوں نہایت ڈھٹائی اور بے دردی کے ساتھ اصل حقائق کو مسخ کر کے یہ پراپیگنڈہ کرنے میں سرگرمِ عمل ہیں کہ:

’’احمدی قیامِ پاکستان کے مخالف تھے...!‘‘

حالانکہ یہ سراسر سفید جھوٹ اور خلافِ واقعہ بات ہے۔ زیرِ نظر سطور میں اس سفید جھوٹ اور ظالمانہ پراپیگنڈہ کی قلعی کھولی گئی ہے۔ معزز قارئین اس سے اندازہ لگا سکیں گے کہ تحریکِ قیام و استحکامِ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کیا کردار ہے۔ اس پر احسان دانش مرحوم کا شعر یاد آتا ہے ؎

کچھ ایسی بیاضوں میں میرے شعر ہیں دانش
نقطے ہیں تخلص کی جگہ نام نہیں ہے

وہ اہلِ قلم اور محقق حضرات جو مزید تفصیلات جاننے کے متمنی ہوں، اُن سے درخواست ہے کہ وہ مورخ احمدیت مولانا دوست محمد شاہد کی کتاب ’’تاریخِ احمدیت‘‘ جلد دہم کا بھی ضرور مطالعہ فرمائیں۔ اس کے لئے یہ ویب سائٹ بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

www.alislam.org

خدمتِ وطن کی روشن جھلکیاں۔
قائدِ اعظمؒ کی لنڈن سے واپسی کے لئے تحریک

قائداعظم محمد علی جناح ہندو ذہنیت اور کانگرس میں شامل علماء کے رویے سے دِل برداشتہ ہوکر گول میز کانفرنس کے دوران ہی سخت مایوس ہو گئے تھے اور انہوں نے 1933ء میں ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر انگلستان میں رہائش اختیار کر لی اور وہاں قانون کی پریکٹس شروع کر دی۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

’’میں حیران ہوں کہ میری ملی خوداری اور وقار کو کیا ہو گیا تھا۔ میں کانگرس سے صلح اور مفاہمت کی بھیک مانگا کرتا تھا۔ مجھے اب ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں ہندوستان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ نہ ہندو ذہنیت میں کوئی خوشگوار تبدیلی لاسکتا ہوں نہ مسلمانوں کی آنکھیں کھول سکتا ہوں۔ آخر میں نے لنڈن ہی میں بُود و باش کا فیصلہ کرلیا‘‘۔

(’’قائدِ اعظم اور اُن کا عہد‘‘۔ صفحہ 191۔192 مؤلفہ مولانا رئیس احمد جعفری)

قائداعظم کے اس فیصلہ سے کانگرسی ہندو اور کانگرس نواز مسلمان بہت خوش تھے۔ مگر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کا دردمند دِل اس صورتِ حال کو دیکھ کر تڑپ اُٹھا کہ مسلمانانِ ہند اپنے ایک محبوب سیاسی لیڈر کی قیادت سے محروم ہو رہے ہیں اور مسلم سیاست پر وہ لوگ مسلط ہو رہے ہیں جو مسٹر گاندھی کو نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔

اس مرحلہ پر آپ نے انگلستان میں احمدی مبلغ مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ کو ہدایت فرمائی کہ وہ قائداعظم کو واپس آنے اور مسلمانانِ ہند کی سیاسی قیادت سنبھالنے کی تحریک کریں۔ چنانچہ مولانا دردؔ نے مارچ 1933ء میں اُن کے دفتر واقع King's Bench Walk London میں آپ سے ملاقاتیں کیں اور قائداعظم کو واپس آنے پر آمادہ کیا۔ قائداعظم نے اپریل 1933ء کو مسجد

احمدیہ لنڈن میں آکر ''ہندوستان کا مستقبل'' پر لیکچر دیا اور اپنی تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

The Eloquent persuation of the Imam left me no escape

''امام صاحب کی فصیح و بلیغ ترغیب نے میرے لئے کوئی راہ بچنے کی نہیں چھوڑی!''۔ یہ تقریر برطانوی پریس کی خاص توجہ کا مرکز بنی اور ہندوستانی پریس نے بھی اسے شائع کیا۔مثلاً دی ایوننگ سٹینڈرڈ (لنڈن) (سنڈے ٹائمز) لنڈن (ہندو) (مدراس) دی سٹیٹس مین (کلکتہ) مدراس میل (مدراس) پائونیئر (الہ آباد) ویسٹ افریقہ (افریقہ) اس تقریر پر نوابزادہ لیاقت علی خان اور اُن کی بیگم قائداعظم کی خدمت میں لنڈن پہنچے جسکے بعد آپ انگلستان کو خیر باد کہہ کر واپس ہندوستان تشریف لائے اور مسلمانوں کی قیادت سنبھال لی۔اور پھر چند سال کی جدوجہد کے بعد پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔تحریکِ پاکستان کے ممتاز لیڈر اور بزرگ صحافی جناب میاں محمد شفیع (المعروف م۔ش) تحریر فرماتے ہیں:

''.....یہ مسٹر لیاقت علی خان اور مولانا عبدالرحیم درد امام مسجد لنڈن ہی تھے جنہوں نے مسٹر محمد علی جناح پر زور دیا کہ وطن واپس آ کر اپنا کردار ادا کریں۔اس کے نتیجہ میں مسٹر جناح 1934ء میں ہندوستان واپس آئے اور مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔''

(''پاکستان ٹائمز'' 11 ستمبر 1981ء صفحہ 2 کالم نمبر 1 سپلیمنٹ)

''انسائیکلو پیڈیا قائداعظم'' جو نامور محقق زاہد حسین انجم صاحب کی مشہور تصنیف ہے،اسمیں بھی قائداعظم کی درد صاحب سے ملاقاتوں اور مسجد فضل لنڈن کی تقریب کا ذکر موجود ہے۔ملاحظہ ہو صفحہ نمبر 309۔مزید برآں ایک کتاب بعنوان ''انسائیکلو پیڈیا آف پاکستانیکا'' جسے بڑی محنت،عرق ریزی اور غیر جانبداری سے مرتب کیا گیا ہے۔جس کے مرتب نگار تاریخ،تنقید اور علمی و سائنسی ترجمہ نگاری کے علاوہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور کے سابقہ ایڈیٹر جناب سید قاسم محمود صاحب ہیں۔ جسے لاہور کے ایک اشاعتی ادارے ''الفیصل'' نے شائع کیا ہے،اسمیں بھی مولانا عبدالرحیم درد امام مسجد لنڈن کا ذکر اور قائداعظم کے متعلق متذکرہ تقریب کا ذکر کیا گیا ہے۔

قراردادِ پاکستان۔اَور۔ سر محمد ظفر اللہ خان

لاہور کے ایک مقامی ہفت روزہ ''چٹان'' میں پاکستان کے مشہور سیاستدان جناب خان عبدالولی خان مرحوم کا ایک انٹرویو شائع ہوا جس سے پریس میں قرارداد لاہور یا قرارداد پاکستان کے متعلق ایک نئی بحث نے جنم لیا۔انٹرویو کا لُبِ لباب یہ تھا کہ تقسیم ہند یا قیام پاکستان کا اقدام،مسلمانان ہند سے غداری کے مترادف تھا۔انگریز اس ذریعے سے ''اسلام کے گھر میں نقب لگا کر مسلمانوں کی اجتماعی رسوائی کا سامان فراہم کرنا چاہتا تھا۔'' انگریز کے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جماعت احمدیہ کے ایک ممتاز ممبر 'چوہدری محمد ظفر اللہ خان' میدان میں اترے۔انہوں نے برصغیر کی تقسیم کا ''قابلِ عمل فارمولا'' تیار کر کے وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کے حوالے کر دیا۔ جنہوں نے 12/مارچ 1940ء کو اس مسودہ کی نقل لارڈ زٹلینڈ (وزیرِ ہند) کو برطانیہ بھجوادی (اس نوٹ کی ایک کاپی قائداعظم کو بھی بھیج دی گئی)

خان عبدالولی خاں کا کہنا ہے کہ (11دن بعد۔ناقل) ''23/مارچ 1940 کو یہی ریزولیوشن (قرارداد لاہور کی صورت میں۔ناقل) پاس ہو گیا۔''...بقول جناب ولی خاں صاحب۔

''انگریز،مسلمانوں کی قوت کو ان کے اپنے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہوگیا۔'' (ہفتگی چٹان۔لاہور 21/دسمبر 1981)

پاکستان کا منصوبہ مسلمانوں کے لئے موت کا پیغام تھا یا زندگی کی نوید؟ اس پر محب وطن صاحبان علم و فضل کی جانب سے بہت کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا۔ہمیں اس وقت،اس پر بحث مقصود نہیں۔

بہر حال حضرت چوہدری صاحب نے اپنی علیحدگی کی سکیم پر روشنی ڈالتے ہوئے ''پاکستان ٹائمز لاہور'' (13/فروری 1982ء) میں طویل مضمون لکھا۔اس کا ایک حصہ ملاحظہ ہو۔چوہدری صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نوٹ (قابلِ عمل فارمولا) میں لکھا تھا کہ:

ا۔''(میری) ''علیحدگی کی سکیم'' یہ ہے کہ ایک شمال مشرقی فیڈریشن بنائی جائے۔جس میں بنگال اور آسام کے موجودہ صوبے شامل ہوں اور ایک شمال مغربی فیڈریشن بنائی جائے۔جس میں پنجاب،سندھ،سرحدی صوبہ،بلوچستان اور سرحدی علاقے شامل ہوں....

جیسا کہ میں نے واضح کیا ہے میں پورے اعتماد سے قطعی طور پر کہتا ہوں کہ میرا نوٹ جس کا ذکر لارڈ لنلتھگو کے 12/مارچ 1940ء کے خط میں ہے۔ اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان واضح طور پر علیحدہ قوم ہیں اور یہ کہ ان کے لئے ''واحد تسلی بخش قابلِ قبول آئینی حل'' یہ ہے کہ شمال مشرق اور شمال مغربی فیڈریشنز قائم کی جائیں اور یہ قطعی طور پر وہی مطالبہ تھا جو کہ چند ہی دنوں (11 دنوں، ناقل) بعد، 23/مارچ 1940ء کی قرارداد میں پیش کیا گیا۔ دوقومی نظریہ اور شمال مشرقی اور شمال مغربی فیڈریشنوں کے قیام کا نظریہ، جس تفصیل اور وضاحت سے میرے نوٹ میں پیش کیا گیا۔ یہ بات میرے ہمعصروں یا مجھ سے پہلے آنے والوں کی کسی دستاویز یا بیان میں قطعاً موجود نہیں...اس حقیقت کے باوجود قائداعظم اکیلے ہی تھے جن پر قیام پاکستان کا سہرا بندھ سکتا ہے۔

ب۔ یہ نوٹ میں نے ذاتی طور پر پہل کر کے لکھا تھا۔ اور اس کے تمام مندرجات کا میں اکیلا ذمہ دار تھا۔ لارڈ لنلتھگو کا یہ نوٹ لکھوانے میں کوئی کردار نہیں تھا۔

ج۔ اس سکیم کو سرکاری طور پر مسلم لیگ نے ''پاکستان'' کا نام اپنے 9/اپریل 1946ء کے کنونشن میں دیا۔ جس کو ''قرارداد دہلی'' کہا جاتا ہے۔''

انتخابات 1946ء-1945ء کے دوران مسلم لیگ کی پُرجوش حمایت

قائداعظم کی قیادت کا اہم ترین واقعہ قراردادِ پاکستان ہے۔ جو 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں پاس ہوئی۔ اس قرارداد کے بعد سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان آئے اور ہندوستان کی آزادی کا ایک جدید فارمولہ پیش کیا۔ جسے مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے مسترد کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی آزادی قطعی محال اور بالکل ناممکن دکھائی دینے لگی۔ عین اس تاریک اور گھٹا ٹوپ ماحول میں امام جماعت احمدیہ نے 12 جنوری 1945ء کو ایک خطبہ جمعہ کے ذریعہ انگلستان اور ہندوستان دونوں کو مفاہمت کی دعوت دی۔

(اخبار الفضل قادیان 17 جنوری 1945ء)

برطانوی سرزمین پر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا نعرۂ حق

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی زبان کو بسا اوقات اپنی زبان بنا لیتا ہے، یہی صورتِ حال یہاں ہوئی۔ آپ کے خطبہ کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے خود بخود یہ سامان پیدا کر دیا کہ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کو، جو اُن دنوں فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج تھے، کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے انگلستان جانا پڑا۔ جہاں آپ نے سرکاری نمائندہ ہونے کے باوجود انگلستان کے سامنے ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ ایسے زور دار، پُرشوکت وقوت الفاظ میں رکھا کہ دنیا بھر میں تہلکہ مچ گیا۔

محترم چوہدری صاحب نے ہندوستان کے عوام کی آزادی کا نعرہ ان الفاظ میں کیا:۔ ''لیکن یہ حالت اب دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ ہندوستان بیدار ہو چکا ہے اور آزاد ہو کر رہے گا''

(ٹرانسفر آف پاور۔ آر کا ئیو حکومت برطانیہ صفحہ 643، 17 فروری 1945ء)

انگلستان کے سر برآوردہ اخبارات کے علاوہ ہندوستان کے مسلم و غیر مسلم پریس نے بھی اس پر بکثرت تعریفی مضامین لکھے۔ چنانچہ اخبار انقلاب لاہور نے ''سر ظفر اللہ خان کی صاف گوئی'' کے عنوان سے لکھا۔

''چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان نے کامن ویلتھ کی کانفرنس منعقدہ لنڈن میں جو تقریر فرمائی وہ ہر انگریز اور اتحادی ملکوں کے ہر فرد کے لئے دلی توجہ کی مستحق ہے۔ کیا اس ستم ظریفی کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ جس ہندوستان کے پچیس لاکھ بہادر مختلف جنگی میدانوں میں جمعیتِ اقوام برطانیہ کی آزادی کو ملحوظ رکھنے کی خاطر لڑ رہے ہیں وہ خود آزادی سے محروم ہے۔''

(روزنامہ انقلاب 22 فروری 1945ء)

حیدرآباد دکن کے روزنامہ پیامؔ (22 فروری 1945ء) نے لکھا۔

''سر ظفر اللہ کی آواز میں ایک گرج ہے۔ ایک دھماکہ ہے جس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔''

ہندو اخبار پربھاتؔ (20 فروری 1945ء) نے یہ نوٹ شائع کیا:۔

''ایک ایک ہندوستانی کو سر ظفر اللہ خان کا ممنون ہونا چاہئے کہ انہوں نے انگریزوں کے گھر جا کر حق کی بات کہہ دی۔''

اخبار پرتاپؔ جالندھر (22 فروری 1945ء) نے لکھا:۔

''ہندوستان کے فیڈرل کورٹ کے جج سر ظفر اللہ خان آجکل لنڈن گئے ہوئے ہیں۔ آپ کامن ویلتھ ریلیشنز میں ہندوستانی ڈیلیگیشن کے لیڈر ہیں۔ لنڈن میں جو تقریریں کی ہیں اُن سے ہندوستان تو کیا ساری دنیا میں تہلکہ مچ گیا ہے...آپ نے برطانوی حکمرانوں کو وہ کھری کھری سنائیں کہ سننے والے

دنگ رہ گئے۔ برطانوی حکومت کے درجنوں تنخواہ دار ایجنٹوں کے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔‘‘

چوہدری صاحب کی ان حُرّیت پرور اور انقلاب انگیز تقریروں کا فوری اثر، برطانیہ کے عوامی اور صحافتی حلقوں سے بڑھ کر براہ راست برطانوی حکومت پر ہوا۔ چنانچہ لارڈ ویول (وائسرائے ہند) کو لندن طلب کرلیا گیا اور پھر برطانوی وزیرِ اعظم مسٹر چرچل اور کابینہ کے دوسرے ارکان سے مشورہ کے بعد 5 جون 1945ء کو نئی تجاویز لے کر ہندوستان پہنچ گئے۔

اُدھر امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے 22 جون 1945ء کے خطبہ جمعہ میں مسلمان اور ہندو لیڈروں کو نہایت درد دل کے ساتھ یہ پیغام دیا کہ:

’’انگلستان صلح کے لئے ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ دو سو سال سے ہندوستان غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ وہ اس پیشکش کو قبول کر کے آئندہ نسلوں پر احسانِ عظیم کریں‘‘۔ آپ کا یہ خطبہ جمعہ اور اس کا انگریزی ترجمہ ہندوستانی لیڈروں تک پہنچا دیا گیا۔ مشہور اہلِ حدیث عالم جناب مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب نے اپنے رسالہ ’’اہلحدیث‘‘ میں اس خطبہ کے بعض اقتباسات دے کر یہ تبصرہ رقم فرمایا:

’’یہ الفاظ کس قدر جرأت اور حیرت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ کانگرسی تقریروں میں اس سے زیادہ نہیں ملتے۔ چالیس کروڑ ہندوستانیوں کو غلامی سے آزاد کرانے کا ولولہ جسقدر خلیفہ جی کی تقریر میں پایا جاتا ہے وہ گاندھی جی کی تقریر میں بھی نہیں ملے گا۔‘‘

(اخبار ’’اہلِ حدیث‘‘ امرتسر 6 جولائی 1945ء صفحہ 4)

مطالبہ قیامِ پاکستان -اور- جماعت احمدیہ

جب فرقہ وارانہ مفاہمت کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو لارڈ ویول وائسرائے ہند نے 19 ستمبر 1945ء کو برِ صغیر میں نئے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ یہ انتخابات ’’پاکستان یا اکھنڈ بھارت‘‘ کی بنیاد پر لڑے گئے۔ اگر ان انتخابات میں مسلم لیگ کی تائید نہ کی جاتی تو آنے والے چالیس پچاس سال تک مسلمانوں کا سنبھلنا مشکل ہو جاتا۔ ہندوستان میں کانگرس راج قائم ہو جاتا۔ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا جداگانہ قوم کا تخیل پاش پاش ہو جاتا اور علیحدہ اسلامی مملکت کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوتا۔ قائد اعظم نے اس موقع پر مسلمانانِ ہند کے نام پیغام دیا کہ ’’اب ہمارے پیش نظر اہم مسئلہ آئندہ انتخابات کا ہے۔‘‘ اس پیغام کے نتیجہ میں مسلمانان برصغیر جو پہلے ہی ’’نظریہ پاکستان‘‘ پر دو گروپوں میں تقسیم تھے۔ زیادہ نمایاں ہو کر دو الگ الگ کیمپوں میں کھڑے ہو گئے۔ ایک کیمپ میں مسلم لیگ اور جماعت احمدیہ (من حیث الجماعت) جبکہ دوسرے کیمپ میں مجلس احرارِ اسلام۔ جمعیۃ العلماء ہند۔ خاکسار۔ کیمونسٹ مسلمان۔ نیشلسٹ مسلمان اور مودودی صاحب کے ہم خیال وغیرہ نے ڈیرے جما لئے۔

آیئے! دیکھتے ہیں ان انتخابات میں جماعت احمدیہ نے کیا کردار ادا کیا؟ ممتاز مؤرخ اور ادیب جناب رئیس احمد جعفری اپنی گراں قدر کتاب ’’قائداعظم اور ان کا عہد‘‘ میں لکھتے ہیں:۔

’’قادیانی گروہ کے امام جماعت، مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے 21 اکتوبر 1945ء کو ایک طویل بیان دیا۔ جس میں اپنی جماعت کے اصحاب کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:

’’آئندہ انتخابات میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہئے تا کہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوف تردید، کانگرس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور دوسری جماعتیں ایسا نہ کریں گے تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہوگی اور ایسا سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ اور چالیس پچاس سال تک ان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ کوئی عقلمند آدمی اس حالت کی ذمہ داری اپنے اوپر لینے کو تیار ہو۔ پس میں اس اعلان کے ذریعہ تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پورے زور اور قوت کے ساتھ آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ کی مدد کریں۔‘‘

حضرت امام جماعت احمدیہ کی اس مخلصانہ پالیسی سے متاثر ہو کر جناب رئیس احمد جعفری مزید لکھتے ہیں:

’’مسلم قوم کی مرکزیت، پاکستان یعنی ایک آزاد اسلامی مملکت کے قیام کی تائید، مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل پر تشویش۔ عامۃ المسلمین کی فلاح نجاح و مرام کی کامیابی۔ تفریق بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصہ کا اظہار

کون کر رہا ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جماعت حزب اللہ کا داعی اور امام الہند؟ نہیں پھر کیا۔ جانشین شیخ الہند اور دیوبند کا شیخ الحدیث؟۔ وہ بھی نہیں پھر کون؟۔ وہ لوگ جن کے خلاف کفر کے فتووں کا پُشارہ موجود ہے۔ جن کا ایمان مشکوک ومشتبہ اور محلِ نظر ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

کامل اس فرقہ زہّاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

(قائداعظم اوران کا عہد۔صفحہ 421)

عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت

ہندو مسلم مفاہمت کیلئے 1946ء کے موسم بہار میں ایک وزارتی مشن ولایت سے ہندوستان آیا۔ جس نے وائسرائے ہند کے مشورہ سے 16/جون 1946ء کو ملک میں ایک عارضی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان میں کہا گیا کہ جو سیاسی جماعت، عارضی حکومت میں شامل نہ ہو گی اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے دوسری جماعت کے اشتراک سے عارضی حکومت بنا دی جائیگی۔

مسلم لیگ نے اس میں شمولیت پر آمادگی ظاہر کر دی۔ مگر کانگریس نے دعوت ٹھکرا دی۔ اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وعدہ کے مطابق عنانِ حکومت مسلم لیگ کے سپرد کر دی جاتی۔ مگر انگریزوں نے حکومت بنانے کی دعوت واپس لے لی۔ اس پر مسلم لیگ کو بطور احتجاج اپنی رضا مندی منسوخ کرنا پڑی۔ وائسرائے ہند جو غالباً اس موقع کی تاک میں تھے، کانگریس سے گٹھ جوڑ کر کے پنڈت نہرو کو آل انڈیا کانگریس کو عبوری حکومت کی تشکیل دینے کی دعوت دے دی۔ انہوں نے فوراً موقع غنیمت جانا اور 2 ستمبر 1946ء کو عبوری حکومت کی تشکیل دیکر حکومت کا چارج سنبھال لیا۔ اب حکومت کے نظم ونسق کی ساری مشینری کانگریس کے پاس چلے جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ اس بات کا بھی قوی امکان تھا کہ جن کانگریسی مسلمانوں پر مسلم قوم کو اعتماد اور بھروسہ نہیں تھا، کانگریس انہیں شامل کر کے ان پر مسلم نمائندگی کا لیبل چسپاں کر دے۔ اس طرح مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ بظاہر شکست میں بدل گئی۔ مسلم لیگ کا وقار معرضِ خطرہ میں پڑ گیا۔ تحریکِ پاکستان کا خاتمہ اور مسلم سیاست کی بربادی کا منظر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔

اس نازک موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام جماعت احمدیہ کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ اس مشکل کا حل آپ کے ساتھ وابستہ ہے۔ چنانچہ آپ بعض خدام سمیت 22/ستمبر 1946ء کو قادیان سے دہلی کیلئے روانہ ہوئے اور 14/اکتوبر 1946ء تک وہاں تشریف فرما رہے۔ اس دوران آپ نے قائد اعظم محمد علی جناح۔ نواب صاحب بھوپال۔ خواجہ ناظم الدین۔ سردار عبدالرب نشتر۔ نواب سر احمد سعید خان چھتاری کے علاوہ مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو سے تبادلہ خیالات کیا۔ آپ کی دعاؤں اور ان مادی تدابیر نے بالآخر کامیابی کی راہ کھول دی۔ وائسرائے ہند نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مسلم لیگ ہائی کمان نے نہایت درجہ فہم وفراست کا ثبوت دیتے ہوئے اور کانگریس سے کسی قسم کا سمجھوتہ کئے بغیر عبوری حکومت میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے کانگریس کے حلقوں میں کھلبلی مچ گئی اور انہیں بھی پاکستان کی منزل صاف قریب آتے دکھائی دینے لگی۔ چنانچہ ہندو اخبار ''ملاپ'' نے صاف لفظوں میں اس رائے کا اظہار کیا:

''میں سمجھتا ہوں کہ یہ جواہر لال نہرو جی اور انکے ساتھیوں کے جوشِ آزادی کو تارپیڈو کرنے کا جتن ہے۔''

(بحوالہ۔''نوائے وقت'' 16 اکتوبر 1946ء صفحہ نمبر 3 کالم نمبر 3)

خضر وزارت کے استعفیٰ کی کامیاب کوشش

برطانوی حکومت تمام اختیارات ہندوستان کو سپرد کر دینے کا اعلان کر چکی تھی۔ مگر چونکہ برطانیہ کی اٹیلی حکومت کے اعلان اور وزارتی مشن کے فارمولا کے مطابق انتقال اقتدار ابتدائی صوبوں کو ہونے والا تھا اور صوبہ پنجاب میں مسلم لیگ کی بجائے یونینسٹ وزارت قائم تھی جسکی موجودگی میں اس صوبہ کے پاکستان میں آنے کا اِمکان قطعی طور پر مخدوش تھا۔ اس لئے قائداعظمؒ کے مشورہ پر پنجاب کے مسلم لیگی اکابر، سر خضر حیات خان وزیر اعلیٰ یونینسٹ حکومت سے مذاکرات کر چکے تھے۔ مگر انکا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔

اس انتہائی نازک اور پریشان کُن موقع پر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بنفسِ نفیس لاہور تشریف لائے۔ اور ملک خضر حیات خان ٹوانہ کو مخلصانہ مشورہ دیا کہ وہ مستعفی ہو کر مسلم لیگ اور پاکستان کیلئے رستہ صاف کر دیں۔ چنانچہ آپکی تحریک پر 2/مارچ 1947ء کو خضر حیات ٹوانہ وزارت سے مستعفی ہو گئے۔ جس پر مسلمانانِ ہند نے جشنِ مسرت منایا۔ اور لاہور کے گلی کوچوں میں یہ نعرہ عام سنائی دیتا تھا کہ:

''تازی خبر آئی اے۔خضرؔ ساڈا پائی اے''

(یعنی تازہ خبر آئی ہے خضرؔ ہماری بھائی ہے!)

اخبار ''ٹریبیون'' نے 5 ؍مارچ 1947ء کی اشاعت میں خبر دی کہ:

''معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ خضر حیات خان صاحب نے یہ فیصلہ سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے مشورہ اور ہدایت کے مطابق کیا ہے۔''

ہندو اخبار ''ملاپ'' مورخہ 20 ؍فروری 1951ء میں لکھتا ہے:

''یہ ایک واضح بات ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے خضر حیات کو مجبور کر کے اس سے استعفیٰ دلایا۔خضر حیات خان کا استعفیٰ مسلم لیگ کی وزارت بننے کا پیش خیمہ تھا۔اگر خضر حیات کی وزارت نہ ٹوٹتی تو آج پنجاب کی یہ حالت نہ ہوتی۔''

جماعت احمدیہ کی قیامِ پاکستان کے تعلق میں ان سب مجاہدانہ اور سرفروشانہ خدمات پر دہلی کے اخبار ''ریاست'' نے اپنے ایک ادارتی نوٹ میں طنزاً لکھا کہ

''احمدی آج پاکستان کی تائید کر رہے ہیں مگر جب پاکستان قائم ہو گیا تو دوسرے مسلمان ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھیں گے جو افغان حکومت نے کابل میں احمدیوں کے ساتھ کیا تھا۔''

اسکے جواب میں امام جماعت احمدیہ نے 16 ؍مئی 1947ء کو ایک پُرشوکت تقریر میں مختلف نقطہ ہائے نظر سے ''مطالبہ پاکستان'' کی معقولیت وضرورت پر سیر حاصل روشنی ڈالی۔نیز اعلان فرمایا کہ ''مسلمان مظلوم ہیں اور ہم تو بہر حال مظلوموں کا ساتھ دیں گے۔خواہ ہمیں تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے۔'' آپ کی یہ تاریخی اور یادگار تقریر 21 ؍مئی 1947ء کے اخبار ''الفضل'' میں شائع شدہ ہے۔

قیامِ پاکستان پر امام جماعت احمدیہ کا پُرشوکت بیان

جماعت احمدیہ کے دوسرے امام مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، جن کی قیادت میں جماعت احمدیہ نے تحریکِ پاکستان کی بے لوث اور مسلسل جنگ میں قائداعظم اور جمہور مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا،کو بھی ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا۔مگر پاکستان پہنچ کر ان غموں کو بھول گئے جو ہندوستان میں جماعت احمدیہ اور آپکو پیش آئے۔اس لئے کہ آپ کا مکان گو آپ کے ہاتھ سے جاتا رہا مگر آپکے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان مل گیا اور آپکے مقدس نام پر ایک عظیم الشان اسلامی مملکت قائم ہو گئی۔جس نے مسلمانانِ برصغیر کیلئے ترقی کے وسیع دروازے کھول دیئے۔چنانچہ آپ نے پاکستان پہنچ کر پاکستان کے مستقبل کے متعلق یہ پُرشوکت اعلان فرمایا:۔

''پاکستان کا مسلمانوں کو مل جانا اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سانس لینے کا موقع میسر آ گیا اور وہ آزادی کیساتھ ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکتے ہیں۔اب انکے سامنے ترقی کے اتنے غیر محدود ذرائع ہیں کہ اگر وہ ان کو اختیار کریں تو دنیا کی کوئی قوم ان کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتی۔اور پاکستان کا مستقبل نہایت ہی شاندار ہوسکتا ہے۔''

(روزنامہ الفضل' ربوہ 23 ؍مارچ 1956ء)

حرفِ آخر

14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر ایک بڑا اسلامی ملک پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔اس ملک کے قیام میں جہاں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں نے اپنی اپنی جگہ پر قربانیاں دیں، وہاں پر جماعت احمدیہ نے نہایت ہی مؤثر اور کلیدی کردار ادا کیا۔اسکی معدودے چند جھلکیاں اوپر پیش کی گئیں ہیں۔جماعت احمدیہ نے قیامِ پاکستان کیلئے جو ایڑی چوٹی کا زور لگایا وہ اپنے ایک آزاد وطن کے قیام کیلئے تھا۔احمدیوں کو اپنے اس وطن سے اس لئے بھی شدید محبت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

حب الوطنِ من الایمان

یعنی وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے اور آج ہر پاکستانی احمدی کے جسم میں پاکستان کی محبت خون بن کر دوڑ رہی ہے۔خدا تعالیٰ ہمارے اس وطن کو دن بدن زیادہ سے زیادہ مضبوط اور خوشحال اور مستحکم بنائے۔آمین۔

خاکسار اپنے اس مضمون کو جماعت احمدیہ کے موجودہ امام جناب مرزا مسرور احمد صاحب کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہے:

''جماعت احمدیہ نے اِس ملک کے بنانے میں بھی حصہ لیا ہے اور انشاء اللہ اسکی تعمیر وترقی میں بھی ہمیشہ کی طرح حصہ لیتی رہے گی۔کیونکہ آج ہمیں ''وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔'' (حدیث مبارکہ) کا سب سے زیادہ ادراک ہے۔آج احمدی ہی ہے جو جانتا ہے کہ وطن کی محبت کیا ہوتی ہے۔''

(خطباتِ مسرورؔ جلد سوئم صفحہ SNN)

شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

دل سے کس طرح مٹاؤ گے محبت کے نقوش
یہ کوئی ریت پہ لکھی ہوئی تحریر نہیں!

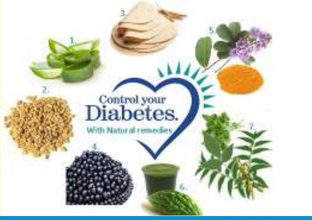

ذیابیطس شوگر، اسباب

محترم کلیم احمد والینسیا

ذیابیطس جس کو عرف عام میں شوگر بھی کہا جاتا ہے اس بیماری میں خون میں گلوکوز کا تناسب ایک حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ دنیا میں یہ مرض تیزی کیساتھ پھیل رہا ہے۔ خاص طور پر پاکستان انڈیا اور چین میں لوگ کی بڑی تعداد اس مرض کا شکار ہورہی ہے۔ ذیابیطس کی دو اقسام ہیں۔

ذیابیطس: قسم اول، ذیابیطس قسم دوم۔ ذیابیطس قسم اول عمر کے کسی بھی حصے میں ہوسکتی ہے، اس میں انسانی جسم میں انسولین بنانے کی صلاحیت یا تو ختم ہوجاتی ہے یا پھر کم ہوجاتی ہے۔

دوسری قسم کی ذیابیطس کا شکار زیادہ تر عمر رسیدہ لوگ ہوتے ہیں اور اس میں خون میں گلوکوز کی تعداد ایک حد سے بڑھ جاتی ہے۔ پہلی قسم کی ذیابیطس میں انسولین سرے سے موجود نہیں ہوتی جبکہ دوسری قسم کی ذیابیطس اس انسولین کے خلاف مزاحمت پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہو جاتی ہے۔ دوران حمل بھی دو سے پانچ فیصد خواتین ذیابیطس کا شکار ہوجاتی ہیں یہ اس کی تیسری قسم ہے۔ انسولین کیا ہے؟ انسولین ایک ہارمون ہے جو لبلبے میں پیدا ہوتی ہے۔ انسولین کی مثال ایک چابی کی سی ہے جو گلوکوز کو خلیوں کے اندر داخل ہونے میں مدد دیتی ہے۔ انسولین ایک ہارمون ہے جو کہ شوگر (گلوکوز) سٹارچ اور دوسری غذاؤں کو روزانہ زندگی گزارنے کے لئے توانائی میں تبدیل کرتا ہے۔

تندرست شخص میں انسولین خون کی چینی (گلوکوز) کو بدنی خلیے میں داخل ہونے میں مدد کرتی ہے اور اسے طاقت میں تبدیل کرتی ہے۔ لیکن جو شخص شوگر کا مریض ہوتا ہے اس میں لبلبہ کافی مقدار میں انسولین پیدا نہیں کرتا۔ اس لئے شوگر بدن میں داخل ہو نہیں پاتی بلکہ خون میں ٹھہر جاتی ہے۔ اس سے خون میں شوگر کا درجہ بڑھ جاتا ہے۔ ذیابیطس (شوگر) کا مرض کن لوگوں کو ہوتا ہے؟ ہر شخص ذیابیطس (شوگر) کا مریض ہوسکتا ہے۔ لیکن بچوں کی نسبت جوان زیادہ اس مرض میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ کے کسی قریبی رشتہ دار کو شوگر ہے تو اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ آپ کو بھی شوگر ہو جائے۔ وہ لوگوں جو موٹے ہوتے ہیں۔ وہ بھی ذیابیطس کا شکار ہو سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو بیٹھے رہتے ہیں اور جسمانی محنت اور مشقت نہیں کرتے، انہیں شوگر کا مرض ہوسکتا ہے۔ 45 سے 70 سال کے درمیان عمر رسیدہ اشخاص ان لوگوں کی نسبت مرض قبول کرنے کی استعداد زیادہ رکھتے ہیں جن کی عمر اس سے کم ہے۔ غیر شادی شدہ مرد شادی شدہ مرد کی نسبت قبولیت مرض کی زیادہ استعداد رکھتا ہے۔ جن کا بلڈ پریشر ہائی رہتا ہو۔ عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ اس مرض کا شکار ہوتیں ہیں۔ ایک شادی شدہ عورت غیر شادی شدہ کی نسبت زیادہ اس مرض کے چنگل میں پھنسنے کی استعداد رکھتی ہے۔ وہ افراد جن کا کولیسٹرول لیول ہائی ہو۔ شوگر سے کیسے بچا جا سکتا ہے۔ باقاعدگی کے ساتھ ورزش کرنے سے۔ اگر آپ پانچ سے دس فیصد اپنا وزن کم کر لیتے ہیں اور میٹھا کھانا کم کر دیتے ہیں تو آپ کافی دیر تک اپنے آپکو اس مرض سے دور رکھ سکتے ہیں۔

ذیابیطس (شوگر) کی علامات

مرض کی شدت اور خفت کے لحاظ سے مختلف مریضوں میں مختلف علامات پائی جاتی ہیں۔ مگر عام طور پر مریضانِ ذیابیطس میں مندرجہ ذیل علامات بتدریج پیدا ہوتی ہیں۔ کثرت بول: پیشاب کا مقدار سے زیادہ آنا اور بار بار آنا۔

شدت تشنگی: پیاس کی زیادتی

کمی وزن۔ تندرستی کی حالت میں جس قدر وزن ہو مرض کی وجہ سے اس میں کمی ہو جاتی ہے۔ ضعف عامہ بدن: عام جسمانی۔ کمزوری، اعصابی کمزوری۔ تکان: پنڈلیوں میں درد، سر چکرانا، پسینہ آنا، ہونٹوں میں جھنجھاہٹ، چال میں ڈگمگاہٹ۔ خصیتین و جلد کی خارش۔ نظر کی کمزوری: دھندلا دکھائی دینا۔ جلدی خرابیاں پھوڑے کاربنکل چھوت دار امراض۔

جنسی کمزوری

اگر یہ علامتیں بہت شدت کے ساتھ ظاہر ہوں تو فوراً ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے اور شوگر ٹیسٹ کروانی چاہیے۔ اگر اس بیماری کا جلد علاج شروع نہ کیا جائے تو ابتدائی طور پر بے ہوشی، جلد کے امراض اور تیزابیت ہوسکتی ہے اور بعد میں گردوں کی خرابی، آنکھوں کی بینائی کا متاثر ہونا، دل کا عارضہ، فالج اور زخم کی خرابی کے باعث پاؤں یا ٹانگ کا نچلا حصہ کاٹنا پڑ جاتا ہے۔

ذیابیطس کا علاج صرف دوئی اور پرہیز سے ہی ممکن ہے، جو لوگ ڈاکٹر کی دی ہوادویات اور مشورے پر عمل کرتے ہیں وہ بہت آرام سے ایک مستعد زندگی گزار رہے ہیں۔

ذیابیطس ٹائپ ون

میں انسولین کے انجکشن لگائے جاتے ہیں جبکہ ٹائپ ٹو میں دوا اور غذا کے ذریعے سے شوگر کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ دوا کے ساتھ ساتھ اس مرض میں مبتلا افراد کے لے روزانہ تیس منٹ چہل قدمی بہت ضروری ہے۔ میٹھے سے ہر ممکن طور پر پرہیز کریں اور میٹھا کھانا مقصود ہو تو مصنوعی شکر کا استعمال نہ کریں۔ اجناس کا استعمال زیادہ سے زیادہ کریں اور چکنائی سے پرہیز کریں۔ گھی سے پرہیز کریں اور اگر استعمال ناگزیر ہے تو تیل استعمال کیا جائے۔ بیکری کی اشیاء سے بالکل دور رہا جائے اور تازہ سبزیوں اور سلاد کا استعمال زیادہ سے زیادہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ پانی کا استعمال بہت زیادہ کریں دن میں کم از کم دس گلاس ضرور پیے جائیں۔ خون میں شوگر کی مقدار۔ آٹھ گھنٹے خالی پیٹ ہونے کے بعد خون میں شوگر کا ٹیسٹ 100 ملی گرام فی ڈیسی لیٹر سے کم۔ نارمل۔ 100 ملی گرام سے 126 ملی گرام پری ذیابیطس۔ 126 ملی گرام فی ڈیسی لیٹر سے زیادہ دو مختلف موقعوں پر ذیابیطس۔ دو گھنٹے والا منہ کے ذریعے گلوکوز برداشت کرنے والا ٹیسٹ۔ 140 ملی گرام فی ڈیسی لیٹر سے کم۔ نارمل ۱۴۰ سے 200 ملی گرام فی ڈیسی لیٹر پری ذیابیطس۔ 2000 ملی گرام فی ڈیسی لیٹر سے زیادہ۔ ذیابیطس۔ A1C معائنہ (اے ون سی)۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ گزشتہ تین مہینوں میں آپ کے خون کا گلوکوز کیا رہا ہے۔ بہت سارے لوگوں کے لئے A1C ہدف 7 سے نیچے ہے۔

ذیابیطس کی پیچدگیاں

ذیابیطس کے مریضوں میں دل کی مختلف بیماریوں کا امکان کافی بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے ذیابیطس کے مریض کو چاہیے کہ چیک اپ کرتے ہیں۔ اعصاب کا متاثر ہونا۔ دل کا دورہ اور فالج، آنکھوں کے مسائل، جو بینائی میں خرابی یا بینائی سے محرومی کا باعث بن سکتے ہیں۔

اعصابی بگاڑ جس کے باعث آپ کے ہاتھ اور پیروں کو نقصان پہنچ سکتا ہے، ان میں سنسناہٹ ہوسکتی ہے، یا وہ سن ہوسکتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے پیر یا ٹانگ سے محروم بھی ہوسکتے ہیں۔ خون کی گردش کو ٹھیک رکھنے کے لیے اگر آپ ہفتہ دس دن بعد ارنیکا اور لیکیسس کی 200 کی ایک خوراک لے لیں تو بڑی حد تک آپ ان مسائل سے بچ سکتے ہیں۔ گردے کی تکالیف جو آپ کے گردے کے افعال کو بند کرنے کا باعث ہوسکتی ہیں۔ گردے کی بیماری کی صورت میں Vesicaria Q کے پانچ قطرے پانی میں ملا کر دن میں تین چار بار۔

☆ مسوڑھوں کی بیماری اور دانتوں سے محرومی۔ ذیابیطس (شوگر) کے مریضوں کے لئے خوراک۔

شوگر کا مریض یہ چیزیں کھانے پر پرہیز کرے

چینی، گڑ، گلوکوز، شہد، جام، مارملیڈ، شربت، سکوائش، فراسٹ اور اس قسم کے دوسرے جوس، پیپسی کولا، سیون اپ، کوکا کولا، ڈبوں میں بند پھل، گھی یا تیل میں تلے ہوئے کھانے، مکھن، بالائی، چربی والا گوشت، مٹھائی، چاکلیٹ، سوئٹس، ٹافی، میٹھے بسکٹ، کیک پیسٹری، کوکونٹ، کریم رول، حلوہ، کسٹرڈ، بوڈنگ، زردہ، آئس کریم، خشک میوہ جات، آلو کے چپس، آم، انگور، گنڈیریاں، گنے کا رس اور کھجور۔ جبکہ کھجور، آم اور دوسرے پھل تھوڑی مقدار میں کھا سکتے ہیں۔ یہ چیزیں کم مقدار میں استعمال کریں۔ دودھ، دہی (بالائی کے بغیر)، روٹی، چاول، رس، بند، ڈبل روٹی، نمکین بسکٹ، دلیہ، کارن فلیکس، انڈہ، مارجرین، پنیر، چنے کی دال، مسور کی دار، لوبیا، سیب، آمرود، گرما، خربوزہ، ناشپاتی، آڑو، خوبانی، آلو بخارہ، مالٹا، کینوں، لوکاٹ، کیلا، تربوزہ، گاجر، چقندر، آلو۔ یہ چیزیں بھوک کے مطابق استعمال کریں۔

پانی، چائے، قہوہ (بغیر چینی کے) گوشت (بغیر چربی کے)، مرغی، قیمہ، سبزیاں، مولی، گاجر، ٹماٹر پیاز، لہسن، ادرک، پودینہ، دھنیا، ہری مرچ، کریلا، پالک، ساگ، کھیرا، کدو، توری، بھنڈی، ٹینڈے، پھلیاں، مٹر، شلجم، بینگن، نمک، مرچ مصالحہ، سرکہ، سرکے والا اچار، نمکین لسی، نمکین سکنجبین، جامن، فالسہ، چکوترہ، ڈائیٹ کوک، ڈائیٹ سیون اپ، ڈائیٹ پیپسی، چینی کی بجائے استعمال ہونے والی گولیاں یا پاؤڈر۔ دن میں تین کی بجائے پانچ چھ دفعہ کھانا کھائیں۔ میری مراد یہ ہے کہ جتنا کھانا تین بار میں کھایا جاتا ہے اتنا کھانا تین کی بجائے پانچ یا چھ دفعہ کھایا جائے۔ کیونکہ ایک ہی دفعہ زیادہ کھانا کھانے سے شوگر زیادہ ہوجاتی ہے اور وقفہ زیادہ ہونے کی وجہ پھر کم بھی ہوجاتی ہے۔ اگر دو گھنٹے یا تین گھنٹے بعد آپ کھانا کھائیں گے تو شوگر کو کنٹرول کرنے میں مدد ملے گی اور اس طرح پیٹ بھی نہیں بڑھتا۔

خاص پرہیز

اپنی خوراک میں تیل اور تیل سے بنی ہوئی اشیا کی مقدار کم کر دیں۔ کم تیل والی غذائیں صحت کے لیے فائدہ مند ہوتی ہیں۔ تیل آپ زیتوں کا استعمال کریں لیکن یاد رہے کہ بہت زیادہ پکا کر کھانے سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر زیتوں کے تیل سے آپ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو کچا تیل استعمال کریں۔ اگر آپ وزن کم کرنا چاہتے ہیں تو آپ کے لیے ضروری ہیکہ اپنی روزمرہ خوراک میں تیل کی مقدار کم کریں۔۔ڈاکٹر کے مشورہ سے اگر آپ کے لیے روزہ رکھنا ممکن ہو تو ہفتہ میں ایک دفعہ روزہ رکھیں اس سے شوگر اور بلڈ پریشر کنٹرول کرنے میں مدد ملے گی۔ روزہ کے دوران اگر کمزوری محسوس ہو تو فورا روزہ توڑ دیں۔ چربی والے گوشت کی بجائے کم چربی والا گوشت جیسے مرغی اور پرندوں کا گوشت اور مچھلی کھائیں۔

یہ چیزیں کھائی جائیں

☆۔اس طرح دودھ کریم نکلا ہوا استعمال کریں اس سے بھی آپ کو اپنی خوراک میں چکنائی کم کرنے میں مدد ملے گی۔☆۔کھانوں کو تیل میں تل کر یا روسٹ کر کے کھانے کی بجائے۔ اوون یا سٹیم کے ساتھ پکا کر کھائیں۔☆۔پھل اور سبزیاں۔ سبزیوں اور پھلوں کا استعمال بڑھا دیں۔ اس طرح جسم کو درکار توانائی پوری کرنے میں مدد ملے گی۔ زیادہ تر افراد اس بیماری کے حوالے سے لاعلمی کا شکار ہیں اس کی وجوہات، علاج کے بارے میں آگاہی بہت ضروری ہے بتائی گئی علامات میں سے کوئی بھی علامت آپ میں شدید طور پر سامنے آئے تو اپنا علاج خود نہ کریں بلکہ فی الفور ڈاکٹر سے رجوع کریں کیونکہ اگر علاج نہ کرایا جائے اور احتیاط نہ برتی جائے تو یہ مرض قبل از وقت انسان کو موت کے منہ میں دھکیل سکتا ہے۔ تاہم دوا، ورزش اور غذا میں توازن سے اس موذی مرض کو مکمل کنٹرول میں رکھا جا سکتا ہے۔

ہومیو پیتھک اور شوگر

نیٹرم سلف 200 ہفتہ میں دوبار کلکریا فاس+کالی فاس+نیٹرم فاس 6 ایکس میں تینوں دوائیاں ملا کر دن میں تین چار بار۔ 20 دن کھانے کے بعد ایک ہفتہ کے دوائی چھوڑ دیں اور پھر شروع کر لیں۔ اگر افاقہ نہ ہو رہا ہو تو دوائی کی طاقت بڑھا کر 30 کر دیں اور پھر بھی ضرورت محسوس ہو تو یہ دوائیاں 200 کی طاقت میں ہفتہ میں ایک دو دفعہ استعمال کریں۔ شوگر کنٹرول کرنے کا ایک کامیاب اور آسان نسخہ آرنیکا 6 طاقت میں روزانہ تین چار بار استعمال کرنے سے شوگر کنٹرول ہو جاتی ہے۔ یہ دوائی شوگر ٹائپ 1 اور ٹائپ 2 میں یکساں مفید ہے۔ آرنیکا اور لیکیس 200 ملا کر وہ لوگ استعمال کریں جنہیں شوگر کے ساتھ ہائی بلڈ پریشر کا مسئلہ بھی ہو۔

ارجنٹم میٹیلکم

اگر پتے کی تکلیف کے ساتھ پیشاب میں شوگر آئے اور پیشاب کی رنگت لسی سے ملتی جلتی ہو اور مقدار میں بہت زیادہ ہو ان علامات میں خصوصی دوا ہے۔

ٹرینٹولا ہسپانیہ

شوگر اگر لمبے غم اور فکر کے نتیجہ میں ہو اور اس کے ساتھ پتے میں سخت ڈنک لگنے کی سی دردیں ہوں نیز ٹانگوں اور بازوؤں میں بھی ہلکی سی دکھن کا احساس ہو تو بہت مفید ہے جو وقتی فائدہ ہی نہیں دیتی بلکہ اللہ کے فضل سے مکمل شفاء دے دیتی ہے۔ اگر ذیابیطس کہ وجہ سے کندھے کے پیچھے جڑوں والا پھوڑا کاربنکل نکل آئے تو اس خطرناک بیماری میں بھی ٹرینٹولا دینا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

لیک دیفلوریٹم

لیک ڈیف بہت ٹھنڈے مزاج کی دوا ہے۔ لیک ڈیف کا مریض بے حد ٹھنڈا ہوتا ہے۔ گرم کمرے میں گرم کپڑوں میں لپٹ کر بھی اس کی سردی دور نہیں ہوتی۔ سانس لینے سے جو ہلکی سی ہوا چہرے پر محسوس ہوتی ہے اس سے بھی اسے سردی لگتی ہے۔ اگر اس کی دوسری علامتوں کیساتھ ذیابیطس بھی ہو تو یہ خدا کے فضل سے اکیلی ہی مکمل شفا بخشنے کی طاقت رکھتی ہے۔ بعض دفعہ اونچی طاقت میں ایک ہی خوراک مریض کو ٹھیک کر دیتی ہے۔ ایسی مریضہ جس کا موٹاپے کی طرف میلان ہو اور جسم ٹھنڈا رہتا ہو۔ اسے ذیابیطس ہو جائے تو لیک ڈیف بھی اس کی امکانی دوا ہوگی۔ شوگر کی وجہ سے اگر نامردی کا مسئلہ ہو تو ماسکس 30 طاقت میں دن میں تین چار استعمال کریں۔

یورینیم نائٹریکم

شوگر کے ساتھ اگر معدہ کی تکلیف ہو یعنی شوگر معدوی ہو تو اعلی دوا ہے۔ فتور ہاضمہ کی اصلاح کرتی ہے۔ پیشاب میں شوگر کم کرتی ہے۔ بھوک گھٹاتی

ہے۔کمزوری اور لاغری ختم کرتی ہے۔

لیکٹک ایسڈ

لیکٹک ایسڈ ذیابیطس کی بہت عمدہ دوا ہے۔اگر دوسری دواؤں کے علاوہ لیکٹک ایسڈ دوسو طاقت میں دی جائے تو وہ مریض جو دوسری دواؤں کا اثر قبول نہیں کرتے اس کی وجہ سے وہ دوائیں بھی کام کرنے لگتی ہیں۔جوڑوں ، کندھوں ، کلائیوں اور گھٹنوں میں درد ہوتا ہے۔سخت کمزوری اور سردی کا احساس ہوتا ہے۔زبان بالکل خشک، پیاس کی شدت اور بھوک کی زیادتی ہوتی ہے۔رالیں بہت زیادہ بہتی ہیں۔ (باقی آئندہ)

غزل-خالد عرفان، نیو یارک

مرے ملک کی زمیں پر یہ نظام چل رہا ہے
کہیں رقص چل رہا ہے کہیں جام چل رہا ہے
تو غزل کی گائیکہ ہے، میں غزل کا رائٹر ہوں
ترے کام کی بدولت، میرے کام چل رہا ہے
مئی جون آ گیا تو مرے دل میں ہوک اُٹّھی
یہاں کھا رہے ہیں برگر، وہاں آم چل رہا ہے
مرے شہسوارِ ملت! ذرا اوج سے اُتر آ
کئی منزلوں سے پیدل، یہ غلام چل رہا ہے
اِک ادھر سے ٹیکسٹ میسج، اِک اُدھر سے ٹیکسٹ میسج
نہ پیام کی ضرورت، نہ سلام چل رہا ہے
یہ مشاعرہ ہے لیکن یہاں چھا گئے گویے
جو گلے کو چیر نکلے وہ کلام چل رہا ہے
میری ٹانگ ہے سلامت، میں پڑا ہوا ہوں گھر میں
جسے عذرِ لنگ ہے وہ، سرِعام چل رہا ہے
یہاں روٹیوں کی قیمت کسی مولوی سے پوچھو
یہاں مبتدی کے پیچھے اک امام چل رہا ہے
یہ عجیب سرد موسم کے مشاعرے ہیں کم کم
نہ کہیں کوئی ''لفافہ'' نہ طعام چل رہا ہے
تیری سرحدوں سے نکلے کئی سال ہوگئے ہیں
تری محفلوں میں اب بھی تیرا نام چل رہا ہے

میرے گیت

ساحر لدھیانوی

مرے سرکش ترانے سن کے دنیا یہ سمجھتی ہے
کہ شاید میرے دل کو عشق کے نغموں سے نفرت ہے
مجھے ہنگامۂ جنگ و جدل میں کیف ملتا ہے
مری فطرت کو خوں ریزی کے افسانے سے رغبت ہے
مری دنیا میں کچھ وقعت نہیں ہے رقص و نغمہ کی
مرا محبوب نغمہ شورِ آہنگِ بغاوت ہے
مگر اے کاش دیکھیں وہ مری پرسوز راتوں کو
میں جب تاروں پہ نظریں گاڑ کر آنسو بہاتا ہوں
تصور بن کے بھولی وارداتیں یاد آتی ہیں
تو سوز و درد کی شدت سے پہروں تلملاتا ہوں
کوئی خوابوں میں خوابیدہ امنگوں کو جگاتی ہے
تو اپنی زندگی کو موت کے پہلو میں پاتا ہوں
میں شاعر ہوں مجھے فطرت کے نظاروں سے اُلفت ہے
مرا دل دشمنِ نغمہ سرائی ہو نہیں سکتا
مجھے انسانیت کا درد بھی بخشا ہے قدرت نے
مرا مقصد فقط شعلہ نوائی ہو نہیں سکتا
جواں ہوں میں جوانی لغزشوں کا ایک طوفاں ہوں
مری باتوں میں رنگِ پارسائی ہو نہیں سکتا
مرے سرکش ترانوں کی حقیقت ہے تو اتنی ہے
کہ جب بھی دیکھتا ہوں بھوک کے مارے کسانوں کو
غریبوں مفلسوں کو بے کسوں بے سہاروں کو
سسکتی نازنینوں کو، تڑپتے نوجوانوں کو
حکومت کے تشدد کو امارت کے تکبر کو
کسی کے چیتھڑوں کو اور شہنشاہی خزانوں کو
تو دل تابِ نشاطِ بزمِ عشرت لا نہیں سکتا
میں چاہوں بھی خواب آور ترانے گا نہیں سکتا

سایہ خدا

احمد منیب

ایک ہی قسم کے تجربے سے اگر ایک انسان بار بار گزرے تو پھر اسے لکھتے ہی بنتی ہے۔ سو اسی لیے آج قلم اٹھا ہی لیا اس موضوع پر۔ اور ایک بارِ مسلسل و کرب ناک کیفیت کو لکھنے میں بھی ویسی ہی کرب ناکی اور الم ناکی سے گزرنا پڑتا ہے۔ کئی بار سفر کے دوران ایسی باتیں سننے کو ملتی ہیں کہ جن کا تعلق ہم سب کے ساتھ ہے نہ کہ کسی ایک فرد کے ساتھ یا صرف حکومت کے ساتھ یا صرف عوام کے ساتھ بلکہ اجتماعی طور پر سب مسلمانوں کے ساتھ کیونکہ اس بات کا تعلق ہمارے ایمان کے ساتھ ہے۔ بات یہ ہے کہ جہاں بھی ہمارے دو یا دو سے زیادہ افراد جمع ہوں یا سفر کر رہے ہوں تو وہ اک دوسرے سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ”ہم کیسے مسلمان ہیں؟“۔ ”ہم تو صرف نام کے مسلمان ہیں“ اور ”ہمارے کرتوت مسلمانوں والے نہیں ہیں“۔ وغیرہ وغیرہ۔

ابھی چند دن ہوئے سفر کے دوران دو باریش عمر رسیدہ آدمی بیٹھے تھے۔ میں بھی اور لوگوں کی طرح ان کی گفتگو سن کر حیران رہ گیا۔ پھر ان انتہا پسند متوالوں سے پوچھا لیکن وہ جواب نہ دے سکے۔ میں اس گفتگو میں اپنے محترم قارئین کو بھی شامل کرنا چاہتا ہوں۔ ایک بزرگ جو قریباً 70 کے پیٹے میں ہوں گے اور دوسرے دو چار سال ان سے چھوٹے ہوں گے۔ اجنبی تھے گویا ہوئے کہ ”ہم تو صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔“ دوسرے بابا نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا دی کہ آپ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں جناب! اور پھر پاکستان کی ابتر حالت، کیا سیاسی اور کیا مذہبی سب موضوعات پر گفتگو چھڑ گئی تو پھر تو خدا کی پناہ! ان دو دو بالشت داڑھی والوں کو پتہ بھی معلوم نہ تھا کہ اسلام کسی کی غیر موجودگی میں زہر افشانی اور ہرزہ سرائی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہے۔ کہنے لگے: ”اسلام کے نام پر ہمارے حکمران طبقہ نے کرپشن کا بازار گرم کر دیا ہے۔ جو بھی آتا ہے وہی اپنا گھر بھرتا ہے۔“ دوسرے گویا ہوئے: ”اجی! اور تو اور پوری عوام اور ہر ایک محکمہ جس کو دیکھو اپنی جیب کی فکر میں لگا ہوا ہے کوئی خدا کا خوف باقی نہیں رہا دلوں میں۔“ پہلے بولے: ”بالکل درست فرمایا آپ نے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اسلام کی تصویر جس قدر ملاں اینڈ کمپنی نے بگاڑ کر پیش کی ہے اور کر رہے ہیں اور جس قدر ظلم مولوی لوگوں نے ڈھایا ہے اور ڈھا رہے ہیں وہ اور کوئی کیا اور کہاں سے کر سکے گا؟“ دوسرے گویا ہوئے۔

”دراصل ہمارے علما سے بڑا جاہل طبقہ اس دنیا میں نہیں ملے گا۔ نہ قرآن کریم کا علم ہے ان کے پاس! نہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہیں اور نہ حدیث کی حقیقت کو جانتے ہیں۔ اُلٹا عوام کو اُلّو بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کر کے لوٹ مار مچائی ہوئی ہے ان لوگوں نے اور کوئی بھی نہیں جو ان کا محاسبہ کرے۔“ مجھ سے رہا نہ گیا اور عرض کی کہ

”بزرگوجان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟“ اجازت ملنے پر ان سے عرض کیا کہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا تھا کہ میری اُمت پر ایسا وقت آنے والا ہے کہ جب دُنیا میں اسلام برائے نام ہی رہ جائے گا اور قرآن کریم رسماً پڑھا جائے گا عمل کرنے کے لیے نہیں اور ایمان ثریا ستارے پر چلا جائے گا اور اس حالت کو ہمارے مولانا خواجہ الطاف حسین حالی نے یوں بیان فرمایا تھا کہ: رہا دین باقی نہ اسلام باقی... فقط رہ گیا اسلام کا نام باقی اور علامہ اقبال نے یوں نقشہ کھینچا تھا کہ

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
تم مسلماں ہو جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

میں یہ کہہ کر اپنی بات پر تبصرے کا انتظار کرنے لگا۔ دونوں بزرگوں نے سرتاپا میرا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا۔ پھر آپس میں آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ بات کی اور پھر دونوں بزرگوں کی گردنیں جھک گئیں۔ پھر ان میں سے بڑی عمر کے بزرگ ایک آہِ سرد بھر کر گویا ہوئے کہ اے نوجوان تو نے بالکل صحیح بات کہی۔ شہ ملتے ہی میں نے ایک اور بات کہہ ڈالی: ”بزرگو! معاشرے کی بات کرنے والے سے مجھے تو کم از کم سخت نفرت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کہ جس نے خود کو پہچان لیا اس نے گویا اپنے رب کو پہچان لیا۔ اس حدیث سے میں تو یہی نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ ہر ایک انسان کو چاہیے کہ بجائے اس کے کہ سارے معاشرے پر تنقید کا بازار گرم کرنے والا مشکل کام کرے اور سب سے کہتا پھرے کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور خود کو درست کر و کس قدر آسان ہے ایک فردِ

واحد خود کو ٹھیک کر لے۔ اپنی بے ایمانی، جھوٹ، کرپشن اور ناانصافی کو دُور کر لے تو سارے معاشرے کی اصلاح ہو جائے گی۔ ہر ایک کو بس اپنا اپنا محاسبہ کرنا چاہیے ایک دوسرے کا نہیں۔'' اب دوسرے بابا جی نے پہل کرتے ہوئے کہا کہ: ''اے لڑکے! کہتے تو تم ٹھیک ہو لیکن بات کہاں سے شروع کی جائے؟ کس سے کہی جائے؟'' میں نے کہا کہ: ''عرض کیا نا کہ ہر ایک اپنے اپنے نفس کا محاسبہ کرے کیونکہ ہر ایک اپنے نفس کا ذمہ دار ہے۔ اور پھر جب تک ہمارے علما، علماءِ سُوء یعنی گندے اور برے علما بنے رہیں گے تب تک معاشرے میں کسی کی اصلاح ممکن نہیں ہے کیونکہ مولوی طبقہ تو منبرِ رسول اور امام کے مصلے سے اُٹھ کر کلاشنکوف اور بم تھام چکا ہے اور پھر آج ہی کی خبر دیکھے کہ مولوی حضرات اکٹھے ہو کر اعلان کر رہے ہیں کہ ہم تو پاکستان کے لیے نہیں دین کے لیے لڑ رہے ہیں۔ تو پھر میرا مشورہ یہی ہے کہ ان مولوی حضرات کو کہ دین کے لیے اور دین کے نام پر جہاں ظلم ہو رہا ہے ان جگہوں پر جائیں نہ کہ پاکستان کا امن خراب کریں۔ یہی ان کے لیے بہتر اور اسلام سے محبت کا ثبوت ہوگا۔

میں تو یہ جانتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک غزوہ سے لوٹتے ہوئے مدینہ میں داخل ہونے سے قبل اپنی فوج کو روکا اور یہ خطاب فرمایا کہ اے لوگو سنو! رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ ہم ایک چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ اب ذرا مجھے یہ بتا دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کے میدان سے علاقے فتح کر کے ایک فاتح کی حیثیت سے لوٹ رہے تھے اور پھر یہ بتایئے کہ مدینہ کے اندر کون سی فوج بیٹھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں کہ جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کرنا تھا؟ میری سمجھ میں صرف ایک بات آتی ہے اور اگر آپ کو اس کے علاوہ کوئی اور بات سمجھ میں آتی ہو تو بتایئے گا میں بھی اپنی تصحیح کر لوں گا، کہ مدینہ میں تو تمام مسلمان عورتیں اور بچے ہی نظر آ رہے تھے اور کمزور مسلمان ایسے جو لڑائی میں شامل نہ ہو سکتے تھے اور پیچھے مدینہ میں رہ گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سبھی سرفروشوں کو یہ ہدایت فرما رہے تھے کہ دیکھو سب سے بڑا جہاد اپنے نفسوں سے جہاد ہے اور عربی لغت میں نفسوں سے مراد خود اپنی ذات بھی ہوتی ہے اور اپنے اہل و عیال اور رحمی رشتہ دار اور برادری والے بھی اور ہم مذہب بھی، حکمران بھی اور رعایا بھی۔ پس مسئلہ حل ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اب تم اپنی اور اپنے گھر

والوں کی تربیت اسلامی خطوط پر کرنے کے لیے غازی بن کر واپس لوٹے ہو تو یہی سب سے بڑا جہاد ہے۔ اپنے اور ان کے اخلاق درست کرنا، ان کو احکام اسلامی اور قرآنی احکام کے مطابق ڈھالنا ہی سب سے بڑا جہاد ہے۔ مجھے تو اسی امر کی سمجھ آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے ہر موقع پر مناسب اخلاق ظہور پذیر ہوئے اور معاشرے میں امن قائم کرنے اور امن قائم رکھنے کے جو زرّیں اُصول اس حدیث مبارکہ سے اخذ ہوتے ہیں وہ آخری ہیں کہ اے لوگو! سب سے بڑا جہاد یہی ہے کہ اپنے آپ کو اسلامی عادات و احکام کے مطابق ڈھال کر ایک عمدہ معاشرہ قائم کر کے مثالی لوگ بننا ہے نہ کہ لڑائیوں سے قلعے اور علاقے فتح کرنا ہے وہ بھی جہاد لیکن امن قائم کرنے والے، نیکی اور راست بازی قائم کرنے والے جہاد سے بہت چھوٹا جہاد ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ جب ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر فرمایا کہ: ''عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِيَآءِ بَنِیْ اِسْرَائِيْل کہ میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں تو آج مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی نبی کی طرح کا عالم تو دکھائے یعنی عالم باعمل۔ قول و فعل میں اس قدر تضاد ہے کہ خدا کی پناہ! مولانا مودودی صاحب کو ہی لے لیجئے تو پاکستان بننے سے پہلے سخت مخالف تھے کہ اے مسلمانو! تم پاکستان نہیں پاکی اُستھان یعنی پلیدستان بنا رہے ہو۔ (نعوذ باللہ) وغیرہ وغیرہ لیکن پاکستان بننے کے فوراً بعد وہ خود بھی اور اپنی تمام جماعت اور اپنے مریدوں کو لے کر نہ صرف پاکستان منتقل ہو کر اس کی شہ رگ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے بلکہ ان کی باتوں اور علم سے یوں لگتا تھا کہ حکومت اور اقتدار کا حصول ان کا مقصدِ اولین ہے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ مولوی صاحب! اسلام کے لیے اور نفاذِ اسلام کے لیے کیا چیز ضروری ہے تو انہوں نے فرمایا تھا کہ اقتدار ضروری ہے۔ اور یہی حال آج کل کے علما کا ہے جو اسلام اور نفاذِ اسلام کے لیے اچھے عمل کی بجائے اقتدار کا حصول لازمی قرار دے رہے ہیں، جو مسلمانوں کو دینی تعلیم دینے کی بجائے، قرآن کریم کے اسرار و رموز بتانے کی بجائے پکڑ لو، مار دو، چھین لو کی سیاست کر رہے ہیں۔ خود اپنے بچوں کو امریکہ اور کینیڈا اور یوروپ بھجوا کر سادہ لوح مسلمانوں میں وعظ کرتے اور انگریزوں کو گالیاں دیتے ہیں۔

پاکستان کے دیگر حالات سے بھی ہم بخوبی واقف ہیں۔ اب خیال آتا

ہے کہ ایسی عوام جو بے یارومددگار ہو چکی ہو اور جس میں اس قدر گند پھیل چکا ہو عقائد میں اعمال میں اقوال میں تو کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ عُلَمَآؤُهُمْ شَرٌّ مَّنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ کہ شریر لوگوں کے شر کی وجہ یہ ہو گی کہ ان کے علما آسمان کے نیچے اس وقت کی بدترین اور شریر ترین مخلوق ہوں گے۔ اور پھر فرمایا کہ تمام فتنوں کا آغاز انہی سے ہوگا اور پھر تمام فتنے انہی پر جا کر ختم ہوں گے۔ یعنی تمام فتنوں کا نقصان انہی شریر علما کو پہنچے گا۔ آج دیکھ لیجئے پاکستان میں کتنے علما، علماء ربانی ہیں اور کس قدر علما شیطانی صفات کا مظہر ہیں۔ اور اپنے بھیانک انجام کو پہنچ رہے ہیں۔ منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی پاس نہیں کرتے۔ امن کی تعلیم دینے کی بجائے اسلحہ کا ڈپو بنے ہوئے ہیں اور بے گناہ شہریوں کو مروا رہے ہیں۔ معاشرہ میں امن کسی طرح قائم ہو سکتا ہے؟ جبکہ کالج، یونیورسٹی حتیٰ کہ سکول کوئی ایک تعلیمی ادارہ بھی ایسا نہیں ہے جو اسلحہ سے خالی ہو ہر جگہ پڑھائی کے نام پر غنڈہ گردی ہوتی ہے۔ جب تک ہمارے علما اپنے نفسوں سے جہاد کر کے درست تعلیم قرآن وسنت اور حدیث کی روشنی میں ہم تک نہیں پہنچائیں گے اور امامت کے مصلے اور منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح حق ادا نہیں کریں گے اس وقت تک نفاذِ اسلام وشریعت خواب ہی دکھائی دے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عُلَمَآؤُهُمْ شَرٌّ مَّنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ۔ یعنی جیسی روح ہو گی ویسے ہی فرشتے ہوں گے۔ اس قدر بگاڑ پیدا ہو چکا ہے کہ یا تو عوام ان علما کی گوشمالی کرے اگر خود سمجھ دار ہے تو پھر ان علما کو سمجھا دے کہ تم ہمیں غلط استعمال کر رہے ہو اور استعمال ہونے سے انکار کر دیں۔ پھر علما راہِ راست پر آجائیں گے۔ عوام بڑی طاقت ہوتے ہیں۔ عوام اگر کچھ کرنے کا ٹھان لیں تو سب کچھ کر سکتے ہیں بڑی بڑی حکومتوں کو اُلٹا سکتے ہیں تو پھر علما کو کیوں نہیں سمجھا سکتے؟ اور آج کے علما تو ایسے علما ہیں جنہوں نے کسی کو مسلمان نہیں رہنے دیا ہر ایک کو دوسرے نے کافر قرار دے دیا ہے۔ نہ اہلِ حدیث کو بخشا ہے نہ اہلِ سنت اور نہ اہلِ تشیع کو۔ نہ دیوبند کو نہ بریلوی کو ایک دوسرے کو ہر فرقے کے علمانے کافر قرار دے رکھا ہے۔ ذرا نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں:

”یہ انبوہِ عظیم جس کو مسلمان کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ 999 ہزار افراد اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق وباطل کی تمیز سے آشنا ہیں...کریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافروں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں۔“

(اقتباس از مسلمانانِ ہند کی سیاسی کشمکش۔ صفحہ نمبر 130۔ مصنفہ: ابوالاعلیٰ مودودی)

یعنی مسلمانوں میں ہر قسم کے کافروں کی موجودگی کا علم مودودی صاحب نے دیا۔ وہابیوں سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں اور ان کے والدین اور سرپرستوں کے بارہ میں مولوی احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

”وہ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ وہابیوں کے پاس اپنے لڑکوں کو پڑھانا کیسا ہے؟ اور جو اُن کے پاس لڑکوں کو پڑھنے کے لیے بھیجے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ بَيِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ الجواب:

حرام! حرام! حرام!۔ اور جو ایسا کرے بدخواہِ اطفال ومبتلاءِ آثام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالیٰ اَعْلَمُ۔ (احمد رضا خان بریلوی۔ از احکامِ شریعت مکمل حصہ سوم صفحہ نمبر 327۔ ناشر تعلیمی کتب خانہ گجرات مغربی پاکستان۔ مطبوعہ پنجاب الیکٹرک پریس گجرات۔ مندرج فتاویٰ کا زمانہ 1320ھ تا 1339ھ۔)

یعنی جو کوئی وہابیوں کے پاس اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھنے کے لیے بھجوائے وہ بچوں کا خیرخواہ نہیں اور گناہ میں مبتلا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اے ایمان دارو! خود کو بھی اور اپنے اہل وعیال کو بھی آگ سے بچاؤ۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ گویا فتویٰ الٹا سیدھا خود دے کر پھر کہہ دیا کہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ عوام کو اس سے بڑھ کر کیا دھوکہ دیا جا سکتا ہے؟ پھر ملاحظہ ہو دیوبند عالم رشید احمد گنگوہی صاحب کا ایک فتویٰ جس میں انہوں نے بریلویوں کو کافر قرار دیا ہے: ”اس زمانہ کے قادری وچشتی مثلاً اپنے عقائدِ متبوعہ اور اعمالِ ناجائز میں مختلف ہو کر ہر ایک کے خلافِ شرع کو اپنا طریقہ مقرر کر لیا ہے۔“

(فتاویٰ رشیدیہ کامل۔ از مولوی رشید احمد گنگوہی۔ ناشران محمد سعید اینڈ سنز۔ تاجران کتب قرآن محل۔ مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی۔ زمانہ فتویٰ 1311ھ بمطابق 1893ء 1894ء)

آغا شورش کشمیری نے تو حد ہی توڑ ڈالی کہ بریلوی: ”سیاسی طور پر غدار اور مذہبی طور پر کافر ہیں۔“

(تفصیل کے لیے دیکھئے رسالہ چٹان لاہور 29 اکتوبر 1962ء۔ صفحہ نمبر 2)

ادھر مولوی احمد رضا خان صاحب نے نام بہ نام لکھا کہ: ”جب علماءِ حرمین طیبین زادھما اللہ شرفاً وتکریماً، نانوتی اور گنگوہی وتھانوی کی نسبت نام بہ

نام تصریح فرما چکے ہیں کہ یہ سب کفار، مرتدین ہیں اور یہ کہ من شک فی کفرہٖ و عذابہٖ فقد کفر۔ جو ان کے کفر میں شک کرے کہ وہ بھی کافر، نہ کہ اس کو پیشوا و سرتاجِ اہل سنت جاننا۔ بلاشبہ جو ایسا جانے ہرگز ہرگز صرف بدعتی و بدمذہب نہیں قطعاً کافر و مرتد ہے اور ان تمام احادیث کا سوال ہی جو فتاوٰی الحرمین سے منقول ہوئیں مورد ہے۔ بلاشبہ اس سے دور بھاگنا اور اسے اپنے سے دور رکھنا، کرنا۔ اس سے بغض، اس کی اہانت، اس کا رد فرض ہے اور توقیر حرام و ہدمِ اسلام، اسے سلام کرنا حرام، اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس کے ساتھ کھانا پینا حرام، اس کے ساتھ شادی بیاہت حرام اور قربت زناء خالص اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازہ میں شرکت، اسے مسلمانوں کا سا غسل اور کفن دینا حرام، اس پر نماز جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر، اس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھانا، اس کے جنازہ کی مشایعت حرام، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام، اس کے لیے دعاءِ مغفرت و ایصال ثواب حرام بلکہ کفر۔ والعیاذ باللہ رب اللعالمین۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فقیر احمد رضا خان قادری عفی عنہ

(منقول از عرفانِ شریعت حصہ دوم 38 و 39۔ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور۔ گلزار عالم پریس لاہور۔)

اب ذرا سوچیے اور بتایئے کہ ایک دوسرے کو کافر کہہ کر فتنوں کی بنیادیں رکھنا بے چارے عام مسلمانوں کا کام نہیں رہا بلکہ علماِ دینِ متین کہلوانے والوں کا کام رہا ہے اور ہے۔ دوسری طرف ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی تیمار داری کرتے، کافروں اور مشرکوں کے لیے خدمتِ خلق کے سب سے بڑے علم بردار تھے، اہل کتاب کے ساتھ کھانا پینا روا رکھتے تھے اور اسلام کے تمام فرقے اللہ، کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر متفق ہونے کے باوجود اپنے علما کی ذاتی خواہشات اور انا اور جھوٹی عزتِ نفس کی بھینٹ چڑھ گئے اور دراصل فرقہ فرقہ خود نہیں ہوئے بلکہ علمانے ان کو پھاڑ دیا لیکن پھر دیکھئے کہ عام عوام میں ہم سب لوگ مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے کے باوجود آپس میں گہرا پیار اور محبت رکھتے ہیں لیکن یہ فتنے علماءِ سُوء کے تھے اور انہیں میں لوٹ گئے یعنی وہ ایک دوسرے کو کافر کافر کہتے پھرے اور عوام الناس میں اس کا اثر بہت کم آیا۔ دیکھئے نا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ کھانا پینا، شادی بیاہ کرنا جائز ہے اور ایک کتاب و سنت پر عمل کرنے والوں کے لے ان کے مولوی لوگوں نے مصیبت کے پہاڑ کھڑے کر دیئے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں اور برحق ہوں یہ بات پورے ایمان کے ساتھ کہتا ہوں کہ: مولوی لوگوں نے اسلام کے نام پر عوام الناس کو نہ صرف مذہب سے دور کر دیا ہے بلکہ انسانیت کے خلاف درس دے کر انسانیت کے سب سے بڑے علم بردار مذہب اسلام پر حملہ کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔ چنانچہ منطقی اعتبار سے انہی علمانے اسلام کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ذرا حقائق پر کھئے تو آپ کو معلوم ہوجائے گا۔ دیوانِ شبینی کا عرب شاعر لکھتا ہے کہ: اگر احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک عالمِ بالا سے ہمارے پاس تشریف لائے یا ہمیں جھانک کر دیکھ لے تو معلوم نہیں کہ ہمارے متعلق کی رائے قائم کرے۔

میرا گمان غالب ہے ہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج ہمارے پاس تشریف لے آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آج ہماری قوم یعنی اپنی ہی امت کے ہاتھوں اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھکر مصائب اور اعراض اور انکارِ حق سے دوچار ہونا پڑے گا جس طرح آپ اہل مکہ کے ہاتھوں دوچار ہوئے تھے کیونکہ ہم نورِ حق جسے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے اسی طرح رُوگردانی کر چکے ہیں کہ جس طرح قریش نے اس سے منہ پھیرا اور گمراہی کے گڑھے میں جا گرے تھے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقینا یہ فیصلہ فرمائیں گے کہ لوگ جس ڈگر پر چل رہے ہیں یہ میرا بتایا ہوا رستہ نہیں ہے اور آخری زمانہ کے لوگوں نے جس مذہب کا طوق اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے وہ میرا مذہب نہیں ہوسکتا۔'' (دیوانِ الشبینی صفحہ نمبر 107)

اہل حدیث لیڈر نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں: ''اب اسلام کا صرف نام، قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے۔ مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں لیکن ہدایت سے بالکل ویران ہیں۔ علما اس اُمت کے بدتر ان میں سے ہیں۔ انہیں میں سے فتنے نکلتے ہیں انہیں کے اندر پھر کے جاتے ہیں۔''

(اقتراب الساعۃ۔ صفحہ 96) یہ اسی حدیث کا ترجمہ ہے جو پہلے میں نے اشارہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور کیا ہی سچ فرمایا تھا کہ جس کی آج سب لوگ تصدیق کر رہے ہیں۔

''لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ وَ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَ هِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدٰی وَعُلَمَآءُ هُمْ شَرٌّ مَّنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَآءِ تَخْرُجُ مِنْهُمُ الْفِتَنُ وَتَرْجِعُ اِلَیْهِمْ۔''

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

پھر 12/ اکتوبر 1987ء کے جنگ اخبار کا ایک حوالہ مجھے یاد تھا وہ بھی میں نے ان کو سنایا کہ:''آج مسلمان نہ تو خود اسلام پر عمل پیرا ہیں اور نہ ہی اس کی تبلیغ کرکے غیر مسلموں کو اس نعمت سے بہرہ ور کررہے ہیں۔ان کی مثال ایک کوبرا ناگ کی سی ہے جو خزانہ پر بیٹھا ہوا ہے اور خزانہ کسی کام نہیں آرہا۔''

(احمد دیدات۔ایک معروف مسلم سکالر۔)

جب یہ تمام حوالہ جات نے ان کو سنائے اور سب باتیں مکمل کرکے آخری بات یہ کہی کہ''بزرگو! میں تو اتنا جانتا ہوں کہ رات کو جب میں سونے کے لیے بستر پر لیٹتا ہوں تو یہ سوچ دامن گیر ہوتی ہے کہ آج سارے دن میں میں نے اپنی کس نیکی میں اضافہ کیا اور اپنی کس برائی اور کمزوری کو قابو کرکے اس سے جان چھڑائی؟ تو اپنا محاسبہ کرنے کے بعد جب میں دیکھتا ہوں کہ جن کو نیکی کی نصیحت کی تھی انہوں نے آج بھی ہمیشہ کی طرح مجھے دقیانوسی کہا اور میرا مذاق اُڑایا تو طبیعت مضطرب ہوجاتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ یاد آجاتی ہے کہ: مَغْبُوْنٌ مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ کہ جس شخص کے دو دن ایک ہی طرح گزرے وہ سخت گھاٹے میں رہا۔تو وہی دعائیں کرنے لگتا ہوں جو میری سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے کی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر تکالیف پھر اس بستر کو میرے لیے تکلیف دہ بنادیتی ہیں اور پھر میں بستر پر لیٹ نہیں سکتا بلکہ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوکر یہی دعا کرتا ہوں کہ: اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَیِّدْہُ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔کہ اے اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور امت کی اصلاح فرما اور ہر اس شخص کی مدد فرما جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دردِ دل سے تائید ونصرت پر کمربستہ ہے سچ پوچھئے تو علماءِ سُوء نے مذہب، ضمیر، آزادیٔ ضمیر ہی نہیں بلکہ انسانیت کو ہی بیچ ڈالا ہے۔'' دونوں بابے اور دیگر مسافر میری اس درد بھری تقریر کو سن کو میری طرح اسلام کی بے بسی پر آنسو بہا رہے تھے۔میری تو ہچکی بھی بندھی ہوئی تھی۔ویگن رُک چکی تھی اور ہم اپنی منزل پر پہنچ چکے تھے۔یہاں سے اگلی منازل کا سفر طے کرنے کے لیے ہم سب ویگن سے اترے وار اپنا اپنا رستہ لیا۔

گھر واپس آکر میں نے سوچا کہ یہ سب کچھ تو مسائل ہیں ان مسائل کا حل کیا ہے؟ اور ان کی وجوہات کیا ہیں؟ وجوہات میں سب سے بڑی وجہ تو اسلام اور اسلام کی حسین تعلیمات سے انحراف ہے اور قرآن وسنت اور حدیث اور اسلام کا نام غلط استعمال کرکے لوگوں کے جذبات دینیہ سے کیا علما اور کیا سیاستدان سب کھیل رہے ہیں اور مسائل کا حل زمینی طاقتوں سے ماورا ہوکر آسمانی طاقتوں کو پکارنا نظر آیا۔

اور اب ذرا میں آپ کو آج کے مسلمانوں کے بارہ میں کچھ اور حوالے بتا دوں۔صوفی خواجہ محمد سلیمان تونسوی لکھتے ہیں:''اگر بالفرض اس زمانہ میں اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو اس زمانہ کے لوگوں کو کافر کہتے اس لیے اس زمانہ کے لوگوں نے شریعت کی پیروی چھوڑ دی ہے۔''(از صوفی خواجہ محمد سلیمان تونسوی۔کتاب نافع السالکین۔صفحہ نمبر 57)ایک احراری مفکر جناب چودھری افضل حق صاحب لکھتے ہیں:

''اگر پہلی صدی ہجری کا کوئی مسلمان کسی طرح زندہ ہوکر موجودہ ہندوستان میں آئے تو وہ فوراً پکار اُٹھے کہ یہاں اسی فیصد مسلمان کافر ہیں اور انہوں نے محض سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر اپنے آ کو مسلمان کہلوانا شروع کردیا ہے۔'' (پاکستان اور اچھوت صفحہ نمبر 19)

مولانا ابوالکلام آزاد ایک جگہ لکھتے ہیں:

''آج دنیا پھر تاریک ہے وہ روشنی کے لیے پھر تشنہ ہے۔...اور پھر اسے بھول گئی ہے جس کی تلاش میں بار بار نکلی تھی۔اس کا وہ پرانا دکھ جس کے علاج کے لیے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آہ وزاری کی اور جس کو چھٹی صدی عیسوی میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں آخری مرہم نصیب ہوا آج پھر تازہ ہو گیا ہے۔جو تاریکی چھٹی صدی عیسوی میں جہالت نے پھیلائی جب کہ اسلام کا ظہور ہوا ویسی ہی تاریکی آج تہذیب وتمدن کے نام پر پھیلی ہوئی ہے جبکہ اسلام اپنی غربتِ اولیٰ میں مبتلا ہے۔''

(الہلال۔جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 102)مفکر پاکستان جناب علامہ محمد اقبال نے کہا:

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہی...
صنم کدہ ہے جہاں لاالٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں...
مجھے ہے حکمِ اذان لا الٰہ الا اللہ

اور شاعرِ انقلاب جناب حبیب جالب نے بھی دکھ بھرے لحن میں گایا کہ

اب تو آسمان سے بھی آتا نہیں کوئی

پس بڑی دردمندی سے آج علماءِ دین متین کو سوچنا ہوگا اور ہم غریب، بے کس، بے علم عوام کو بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر جس دین کی تکمیل فرمائی ہے وہ اس دین کو ایسے ہی نہیں چھوڑ دے گا بلکہ اس دین کی تجدید کی خاطر ہر ایک صدی کے سر پر کم از کم ایک ایسے شخص کو ضرور کھڑا کرے گا جو تجدید دین کرے گا اور چودھویں صدی کا مجدد مجدد اعظم ہوگا وہ مسیح موعود ہوگا اور امام مہدی ہوگا۔ تو چودھویں صدی کو گزرے ایک زمانہ ہوگیا اور پندرھویں کو شروع ہوئے تقریباً تیس سال ہو گئے وہ امام مہدی اور مجدد کہاں ہے؟ خدارا بتایئے ورنہ ساری عوام کا، سب مسلمانوں کا اجتماعی گناہ آپ کے سر پر ہوگا۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ہم تمام مسلمان مل کر اپیل کریں گے کہ اے اللہ! جن لوگوں نے دین کی سیادت کا جؤا اپنے سروں پر اُٹھا رکھا تھا انہوں نے ہمیں چودھویں صدی کے مجدد کو پہچاننے اور ماننے کا موقع ہی نہیں دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ دین کی سیادت کا جؤا اپنی گردنوں میں ڈالنے والوں کا وہ جؤا ایک طوق بنا دے گا۔ اور وہی حال کرے گا جو سورہ یاسین آیت 9 اور 10 میں فرمایا کہ: ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے اور وہ طوق ان کی ٹھوڑیوں تک چڑھ گئے ہیں اور وہ دکھ سے بچنے کے لیے اپنی گردنیں اونچی کر رہے ہیں اور ہم نے ان کے آگے بھی ایک روک بنا دی ہے اور ان کے پیچھے بھی ایک روک بنا دی ہے اور ان کو ڈھانک دیا ہے پس وہ دیکھ نہیں سکتے۔ گو مفسرین قرآن کے مطابق سی کیفیت سے مراد ایک دنیا دار کو اس زندگی میں پیش آنے والی کیفیت ہے لیکن آخرت میں بھی میرا یقین ہے کہ جو لوگ اس دنیا کے مردار سے کھا کر اور بچا کر لے گئے ہوں گے ان کی یہی کیفیت ہوگی لیکن ان سے اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تیرا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے لیے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لیے تسکین دل کے واسطے ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہم اس بھٹکے ہوئے طبقۂ مولویان کو سمجھائیں کہ مومن بنو اور ہاتھ میں کلاشن کوف نہیں بلکہ قرآن وسنت اور حدیث تھام لو اب بھی کچھ نہیں بگڑا اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کے رستے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

پاکستان کے محسن

امجد عباس باجوہ

پاکستان کے وہ عظیم محسن جنہوں نے قائد کے قدموں میں نوٹ کے ڈھیر لگادئے۔ آج کل سپریم کورٹ میں ہر روز اپنے چور وزیر اعظم کا تماشا دیکھتی ہے جو ملک کو اربوں روپیہ لوٹ کر بیرون ملک لے گیا... ہم قوم کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ قیام پاکستان کے وقت بھارت نے پاکستان کے حصے میں آنے والے پچپن کروڑ روپے روک لئے تاکہ پاکستان کی حکومت ناکام ہو جائے اس مشکل وقت میں قائداعظم نے تین صنعت کار دوستوں کو بلایا اور انہیں کہا کہ ''آپ نے پاکستان بنانے میں ہماری مدد کی اب اس کو چلانے میں بھی تھوڑی مدد کریں''۔ قائد کی بات سن کر اُن لوگوں نے اپنی چیک بک نکال لیں اور دستخط کر کے بلینک چیک قائداعظم کے حوالے کر دیئے اور قائد سے کہا کہ آپ کو جتنی رقم کی ضرورت ہو اس پر لکھ سکتے ہیں کیونکہ پاکستان ہے تو ہم ہیں اگر پاکستان نہ رہا تو ہم کیسے رہیں گے۔

قائد نے ایک چیک پر دس کروڑ ایک پر پانچ کروڑ اور ایک پر تین کروڑ لکھے اور یہ 18 کروڑ کی رقم ان صنعت کاروں سے لے کر قومی خزانہ میں جمع کرادی جو آج کل کے اٹھارہ ارب روپے سے بھی زائد رقم تھی۔ پاکستان کی نئی نسل کو آج اپنے یہ محسن یاد بھی نہیں اگر یاد ہیں تو نواز شریف زرداری جیسے چور اُچکے جو ملک کو دونوں ہاتھ سے لوٹ کر لے گئے ہیں۔ جن عظیم لوگوں نے قائد کو چیک دیئے ان میں ایک سر آدم جی پیر بھائی، پیکجز کمپنی کے مراتب علی شاہ اور حبیب بینک کے مالک سیٹھ محمد علی حبیب شامل تھے معین نواز جنگ نے لندن سے اپنے 20 کروڑ پاکستان میں منتقل کئے 22 کروڑ بیرون ملک قائد کے دوستوں نے بھیجے اور پاکستان چل پڑا۔ پاکستان پر امتحان کی گھڑی میں اپنے خون پسینے کی کمائی وطن پر نچھاور کرنے والے عظیم لوگوں کی عظمت کو ہم سلام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لعنت بھیجتے ہیں آج کے بدکردار چور سیاست دانوں اور سرکاری افسروں پر جو اپنے ہی ملک کو دن رات دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔

----*

روشنی کا سفر

افسانہ

میر صاحب حسن
مدیر ماہنامہ ''تریاق''، ممبئی

عروس البلاد ممبئی عالمی شہرت یافتہ شہر ہے۔ اسی ممبئی شہر کے مضافات میں ایک علاقہ ہے کرلا، بس با کے نکتہ کا فرق ہے ورنہ کربلا ہوتا۔ شاید اسی کا اثر ہے کہ یہ علاقہ دھیرے دھیرے مسلم اکثریتی علاقہ میں تبدیل ہو گیا۔ کرلا ریلوے اسٹیشن ایک زمانے میں پلیٹ فارم کے حساب سے چھترپتی شیواجی ٹرمنس سے آگے تھا کیونکہ کرلا میں دس پلیٹ فارم تھے اور چھترپتی شیواجی ٹرمنس میں آٹھ۔ اب کرلا میں بھی آٹھ ہی رہ گئے ہیں۔ پلیٹ فارم نمبر ۹ اور ۱۰ / اسٹیشن کے مشرقی جانب تھے اسی لئے اس طرف کا علاقہ پلیٹ فارم نمبر ۹ کی مناسبت سے ''نو نمبر'' کے طور پر مشہور ہو گیا۔ کرلا مغرب میں اسٹیشن سے باہر چند قدم پر ہی ایک پبلک برج ہے جو کرلا ایسٹ اور ویسٹ کو ملاتا ہے۔ ویسٹ میں اسٹیشن سے منسلک ''ٹکٹ گھر'' ہے جس کی بھیڑ مشہور ہے۔ سات آٹھ ٹکٹ کھڑکیاں ہونے کے باوجود ٹکٹ لینے کے لئے لمبی لمبی قطاروں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اب کچھ غنیمت ہے۔ سامنے ہی رام محل ہوٹل ہے۔ اس کے بغل سے ایک راستہ آگے کی طرف جاتا ہے جس کے آخری سرے پر ''سنسار ہوٹل'' ہے۔ اور ایک طرف مٹھائی کی دوکان ہے اور بالکل اس دکان کے سامنے ایک ٹھیلہ (ہاتھ گاڑی) پر اخبارات اور کتابیں بکتی ہیں۔ تھوڑا اور آگے بڑھیں تو بائیں طرف best بس اسٹاپ نظر آتے ہیں جبکہ سامنے والا سیدھا راستہ پائپ روڈ کی طرف جاتا ہے جس کی شروعات ایک چھوٹے سے پولس اسٹیشن سے ہوتی ہے۔ میں روزانہ یہاں کے واحد پبلک برج سے ہو کر کرلا ایسٹ کی طرف جاتا ہوں اور وہاں سے بذریعہ بس واشی (نئی ممبئی) جانا ہوتا ہے جہاں میری آفس ہے اور پھر شام تک واپسی ہوتی ہے۔

رات میں تیز بارش کی وجہ سے موسم کچھ سرد ہو گیا تھا میں تقریباً دو بجے تک مطالعہ میں غرق رہا اور بارش کو دیکھتے ہوئے ارادہ کر لیا تھا کہ صبح آفس نہیں جانا ہے۔ مجھے دیر تک سوتا دیکھ وائف نے اٹھاتے ہوئے سوال کیا ''آج آفس نہیں جانا ہے؟'' میں نے نفی میں جواب دیا اور دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ ابھی کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ فون کی بیل نے شور مچانا شروع کر دیا۔ آفس سے پارٹنر کا فون تھا۔ اس نے بتایا کچھ ارجنٹ ہے جلد آفس چلے آؤ۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھنا پڑا۔ قریب گھنٹے بھر بعد آفس کے لئے روانہ ہوا۔ سنسار ہوٹل پہنچ کر سامنے ٹھیلہ سے اردو اخبار خریدا اور تیزی سے پبلک برج کی طرف بڑھا۔ ابھی پہلی دوسری سیڑھی پر ہی قدم رکھا تھا کہ کسی کے پکارنے کی آواز آئی۔

''اسد!...اسد!!'' میں چونک کر پلٹا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے ایک دبلا پتلا جوان کھڑا ہے جس کے کپڑے میلے ہیں بلکہ کپڑوں سے ہلکی بدبو بھی آ رہی ہے، بال بکھرے ہوئے، ہلکی داڑھی، چہرے پر گندگی لگی جیسے کچھ کھانے کے بعد منہ دھویا نہ گیا ہو، پینٹ گھٹنے کے پاس کچھ پھٹا ہوا، اور نیچے کی جانب سے کچھ مڑا ہوا، پیر میں تلی سی چپل شاید مہینوں سے دھوئی نہیں گئی تھی۔ اس طرح کے سراپے والے کو ہم ممبئی کی عام بولی میں ''گردولا'' کہتے ہیں۔ ابھی میں اس پکارنے والے کے سراپے پر غور ہی کر رہا تھا کہ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کر دیا۔

''نہیں پہچانا؟ میں ایاز، سندر نگر مسجد کے پاس ہم لوگ ساتھ ہی کھیلا کرتے تھے بچپن میں.... یاد آیا؟'' ''....ایازززز؟ ارے ہاں....ہاں۔ کئی برسوں بعد دیکھا نہ اس لئے نہیں پہچان سکا۔ پر یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ کہاں ہو؟'' ''سب یہیں پوچھ لے گا؟ چل سنسار میں چائے پیتے ہیں''۔ ''اں...لیکن....ہاں چلو''۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے ہوٹل کی طرف قدم بڑھا دئے۔ چند قدم کے فاصلوں میں ہی مجھے محسوس ہوا کہ لوگ میری جانب دیکھ رہے ہیں کہ میں کس کے ساتھ ہوں۔ ہوٹل میں داخل ہو کر ایک دم پیچھے والی ایک میز منتخب کی اور میں ایسے بیٹھ گیا کہ لوگوں کی نظریں مجھ پر کم پڑیں۔ اتنے میں ویٹر آ گیا اس نے ٹیبل پر پانی رکھا۔ میں نے چائے کا آرڈر دیا مگر ایاز نے روک دیا کہ سنسار ہوٹل میں آ کر سموسہ نہ کھاؤ تو مزہ نہیں آتا۔ چنانچہ پہلے سموسہ پھر چائے کا آرڈر دیا۔ سموسے اور چائے کے دوران میں ایاز کی جانب ہی دیکھتا رہا جو تیزی سے سموسہ کھا رہا تھا شاید کئی دنوں بعد اس کے حلق میں کچھ اتر رہا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر جیسے ہی اس نے میری جانب دیکھا۔ میں نے سوال کیا۔ ''یہ سب کیا ہے ایاز؟ کیا حال ہے؟''

''کچھ مت پوچھ، بعد میں بتاؤں گا۔ بیس روپئے ہیں تیرے پاس، تو جلدی دے''۔ میں نے بیس روپے کی نوٹ اس کے ہاتھ میں جیسے ہی تھمائی وہ

بنا کچھ کہے باہر کی جانب چل دیا۔میں جلدی سے مڑ کر دیکھنے لگا کہ وہ کہیں ناشتے کی بل تو نہیں دینے جا رہا۔مگر نہیں، وہ تو سیدھے باہر نکل گیا۔میں نے ویٹر کو ایک اور چائے کا آرڈر دیا۔میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ سب کیسے کیا ہوا؟ کیا یہ وہی ایاز ہے جسے میں بچپن میں جانتا تھا؟؟؟؟

--*

میں اپنی والدہ کے ساتھ سندر نگر مسجد جایا کرتا تھا جہاں زنانی مجلس ہر ہفتہ ہوا کرتی تھی۔والدہ نے مجھے دیگر بچوں کے ساتھ بٹھاتے ہوئے سمجھایا کہ کہیں جانا نہیں۔بہت سی خواتین مجلس میں شرکت کے لئے آیا کرتی تھیں، جن میں چند ہماری رشتے دار بھی تھیں۔ان ہی میں میری ممانی بھی آیا کرتی تھیں جن کے ساتھ ان کا بیٹا فیاض بھی آتا۔اس طرح کئی دیگر لڑکے بھی موجود ہوتے۔سب کی والدہ اندر مجلس میں ہوتیں اور ہم سب باہر چھوٹے سے میدان میں کھیلا کرتے۔ایک دن جب میں والدہ کے ساتھ مجلس پہنچا تو معمول کے مطابق والدہ اندر مجلس میں چلی گئیں اور میں باہر رک گیا۔میں نے دیکھا کہ فیاض اور دیگر بچے کسی کو گھیرے کھڑے ہوئے ہیں۔قریب گیا تو دیکھا کہ سب کے گھیرے میں ایک بہت خوبصورت لڑکا کھڑا ہوا ہے۔فیاض نے بتایا۔''یہ ایاز ہے آگے روڈ کے پاس بلڈنگ میں رہتا ہے۔اپنی بہن اور امی کے ساتھ آیا ہے۔''میں اسے غور سے دیکھنے لگا بلکہ ہم سب ہی اسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم سب سانولے تھے اور وہ بہت خوبصورت، بہت گورا۔اُن دنوں میری عمر نو دس سال رہی ہوگی۔ایاز بھی ہم عمر ہی تھا۔اسے پہلی بار دیکھ کر ہم سب کو احساس ہوا تھا کہ اس کے سامنے ہم لوگ کتنے سانولے دکھائی دیتے ہیں۔مجلس کے اختتام پر جب سب خواتین باہر نکلیں تو ایاز کی والدہ اور بہنیں بھی باہر آئیں۔ایاز کی بہنیں بھی بہت خوبصورت تھیں۔اس کے بعد ہر مجلس میں وہ آنے لگا۔بہت سے بچے جمع ہوتے تھے اس لئے سب الگ الگ گروپ میں کھیلا کرتے اور سبھی کی کوشش ہوتی کہ ایاز ان کے ساتھ کھیلے۔سبھی بچے ایاز سے دوستی کرنا چاہتے تھے۔میں بھی ان میں سے ایک تھا۔اس سے بات کرتے ہوئے مجھے محسوس ہوتا کہ اگر غلطی سے میرا ہاتھ اسے لگ گیا تو وہ گندہ نہ ہوجائے۔زیادہ تر وہ سفید کپڑوں میں آیا کرتا تھا۔وہ دوسرے بچوں کی طرح یہاں وہاں بیٹھنے سے پرہیز کرتا کہ کپڑے نہ گندے ہوجائیں، ہاتھ پیر نہ میلے ہوجائیں۔وہ بہت نفاست پسند تھا۔ایک دن فیاض نے اس کے صاف کپڑوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔''ایاز کا ڈریس اتنا صاف اور چکنا ہے کہ اس پر سے مکھی بھی پھسل جائے گی''۔بوڑھیوں والا یہ ڈائیلاگ سن کر ہم سب ہنسنے لگے تھے۔ایک دن باتوں باتوں میں ایاز نے بتایا کہ اس کے والد اور بڑے بھائی عرب میں ملازمت کرتے ہیں گھر پر اس کی والدہ اور تین بہنیں ہیں۔جنھیں ہم پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔دو سال تک ایاز سے وہیں ملاقات ہوتی رہی۔جب ہم تھوڑا بڑے ہوئے تو والدہ کے ساتھ زنانی مجلسوں میں جانا بند ہوگیا۔پھر اکثر نماز جمعہ کے موقع پر ایاز سے ملاقات ہونے لگی۔مسجد میں بھی جب ایاز آتا تو سب کی نگاہوں کا مرکز وہی ہوا کرتا تھا۔سارے نمازی اسے دیکھتے، اس سے باتیں کرتے جیسے مسجد میں اور کوئی دوسرا بچہ ہی نہ ہو۔ایس۔ایس۔سی کے بعد میں کالج جانے لگا اس طرح مسجد بھی جانا کم ہوگیا۔تعلیم کا سلسلہ چلتا رہا۔اس درمیان ایک دو بار محرم کی مجالس یا جلوس عزا میں ایاز سے ملاقات ہوئی۔تعلیم و روزگار میں ایسا مصروف ہوئے کہ برسوں گزر گئے۔نئے دوست، نئے رشتے دار ملتے اور زندگی کا کارواں آگے بڑھتا رہا۔

--*

آج اس حالت میں ایاز کو دیکھ کر میں سب کچھ بھول سا گیا تھا یہ بھی یاد نہیں رہا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی آج گھر سے کسی ارجنٹ میٹنگ میں شامل ہونے کے لئے واشی جانا تھا۔کچھ دیر تک میں بیٹھا رہا اور پھر بل ادا کر کے گھر چلا آیا۔پارٹنر کو فون کر دیا کہ کسی وجہ سے نہیں پہنچ پاؤں گا کل میٹنگ رکھتے ہیں۔

گھر چلا آیا۔میری خوبصورت سی بیوی نے واپسی کی وجہ جاننی چاہی، میں نے بہانہ بنا دیا اور اپنی چھوٹی سی لائبریری میں جا بیٹھا۔میں بہت دیر تک بچپن کی یادوں میں کھویا رہا جہاں خوبصورت سا ایاز بار بار نظر آتا رہا۔بچپن کے ایاز کو آج کے ایاز سے ملاتا رہا۔فیاض کو دیر رات فون کر کے اگلی صبح ملنے کے لئے کہا۔اگلی صبح فیاض گھبرائے ہوئے گھر آئے۔''کیا ہوا؟ اتنی رات کو فون کر بلایا اور کوئی وجہ بھی نہیں بتائی۔سب خیریت تو ہے؟''۔''ارے یار! ابھی بیٹھو چائے پیتے ہیں جلدی کیا ہے؟

چائے ناشتہ کے بعد میں نے فیاض سے باتوں باتوں میں ایاز کا ذکر کیا اور اس سے ملاقات کی باتیں بھی بتائیں۔اسے بہت تعجب ہوا۔اس نے بھی افسوس کا اظہار کیا۔میں نے بہت منت سماجت کر کے فیاض کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ معلوم کرے کہ ایاز ایسا کیوں بدل گیا۔دراصل میری آفس واشی میں تھی جبکہ فیاض کا کارخانہ سا کی ناکہ میں تھا اور وہ اکثر و بیشتر نماز ظہر اسی مسجد میں پڑھ کر کارخانے جایا کرتا تھا۔فیاض نے وعدہ کیا کہ جلد از جلد وہ

اسباب معلوم کرے گا۔اور پھر جلد ملنے کی بات کہہ کر روانہ ہوگیا۔میں بھی اپنے روزمرہ کے معمولات میں مشغول رہا مگر گاہے گاہے ایاز کا خیال آہی جاتا۔میں واشی میں ایک پبلیشنگ ادارے سے منسلک تھا اور دو کتابیں لکھ چکا تھا اس لئے کسی حد تک حساس تھا اور کھوجی ذہن بے چین تھا۔ایاز اور فیاض سے ملے دوڈھائی ماہ سے زیادہ ہو چکے تھے۔اس درمیان میں جب بھی سنسار ہوٹل سے گزرتا تو چاروں طرف نظریں دوڑاتا کہ کہیں ایاز نہ نظر آجائے۔میری عجیب حالت تھی میں اس کے بارے میں جاننا بھی چاہتا تھا اور اس طرح سرِراہ ملنے سے بھی گھبراتا تھا۔ایک دو بار وہ مجھے اس پُل پر نظر آیا جو ایسٹ اور ویسٹ کو ملاتا ہے مگر میں اس سے نظریں بچاتا ہوا گزر گیا۔اسی طرح دو چار ماہ اور گزر گئے۔ماہ محرم آگیا۔مجلسوں کے سلسلے میں روز ہی مسجد و امام بارگاہ میں آنا جانا رہا مگر کہیں ایاز نظر نہیں آیا۔عاشور کے جلوس میں جب میں جے جے اسپتال کے پاس سے گزر رہا تھا تبھی ایک جگہ شربت کی گاڑی کے قریب ایاز شربت پیتا نظر آیا۔اس کی حالت ویسی ہی تھی بلکہ کچھ اور بدتر ہو چکی تھی۔

----*

کئی ماہ گزر گئے۔ایک دن فیاض گھر آئے۔''میں نے ایاز کے متعلق بہت سی معلومات حاصل کی ہیں''۔رسمی باتوں کے بعد فیاض نے کہا۔یہ سنتے ہی میں اُچھل پڑا اور فوراً فیاض سے کہا۔

''جو کچھ معلوم ہوا ہے، جلد بتاؤ''۔فیاض نے تفصیل بتانا شروع کی۔''ایاز کے والد اور بڑا بھائی عرب میں ملازمت کرتے تھے۔پیسے کی فراوانی تھی،کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ایاز انگلش اسکول کا طالبعلم تھا جہاں co-education سسٹم رائج تھا۔ایاز خوبصورت تھا ہی ساتھ میں پیسوں کی فراوانی ، اسکول میں لڑکیوں کا ساتھ ملا۔دسویں پاس کر لینے کے بعد کالج جانے لگا۔کالج کے آزادانہ ماحول نے اسے اپنے رنگ میں رنگ لیا۔وہ سگریٹ پینے لگا۔لڑکیوں کے ساتھ سیر وتفریح ہونے لگی۔فرسٹ ڈے۔فرسٹ شو فلمیں دیکھنے جاتا اور ساتھ میں لڑکے لڑکیوں کا گروپ ہوتا۔گھر میں دو بہنوں کی شادی ہو چکی تھی تیسری بہن اپنی مرضی سے کسی لڑکے سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ایاز کی دیکھ ریکھ کرنے والا، روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ تھا۔ایاز جس بلڈنگ میں رہتا تھا اسی بلڈنگ میں رہنے والی ایک لڑکی نیلوفر تھی جو ایاز سے محبت کرتی تھی۔اس نے کئی بار ایاز سے اس کا اظہار بھی کیا مگر ایاز نے ہنس کر ٹال دیا۔''اتنا کہہ کر فیاض اپنی سانسیں درست کی اور چائے اور پان کی فرمائش کردی۔میں نے کہا۔

''چائے اور پان بعد میں لینا پہلے پورا واقعہ سناؤ''۔بڑے نخرے کے بعد فیاض نے آگے بتانا شروع کیا۔''نیلوفر کی محبت کو ایاز نے ٹھکرا دیا مگر کچھ غلط لڑکیوں کے چکر میں پڑا رہا ان ہی لڑکے لڑکیوں میں سے کسی نے اسے ڈرگس کی طرف راغب کیا۔پہلے وہ شوقیہ ڈرگس لینے لگا مگر پھر دھیرے دھیرے عادی ہوتا چلا گیا۔صبح سویرے گھر سے کالج کے بہانے نکل جاتا اور دن بھر دوستوں کے ساتھ نشہ کئے پڑا رہتا۔دیر رات گئے گھر جاتا۔رجب کا مہینہ تھا ایاز کے والد اور بڑے بھائی عرب سے آئے۔ایاز کی حالت دیکھ کر وہ دونوں فوراً سمجھ گئے۔والد نے ایاز کو بہت سمجھانے کی کوشش کی اور پھر اسے گھر سے نکال دیا۔گھر سے کیا نکالا گیا کہ ان لڑکے لڑکیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا جو''فرسٹ ڈے فرسٹ شو''کے ساتھی تھے اور نشے میں اس کے ساتھ جھوما کرتے تھے۔کئی بار ایاز کو نشے کی حالت میں بے سدھ نالیوں میں پایا گیا۔ایک ہی کپڑا وہ مہینوں پہنے رہتا ہے اس طرح کے''گردوتے''یا نشے باز اسی حالت میں رہتے ہیں۔''''وہ لڑکی نیلوفر کہاں ہے جو ایاز سے محبت کرتی تھی؟میں نے سوال کیا۔

''اس کی شادی کو چار پانچ سال ہو چکے ہیں۔وہ ایاز سے محبت کرتی تھی مگر ایاز تو نشے باز لڑکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔''فیاض نے غمگین لہجے میں کہا۔

----*

ایاز کے حالات سن کر میں کئی دنوں تک افسوس کرتا رہا۔ایاز کی طرح ہی ممبئی کے اکثر مسلم علاقوں میں کچھ نوجوان کسی نہ کسی نشے میں گرفتار ہیں۔جانے کیسے مسلم اکثریتی علاقوں میں نشے کی ہر شے آسانی سے دستیاب ہوتی ہے جبکہ دیگر علاقوں میں ایسا نہیں ہوتا۔بعض مقامات پر تو خود پولس نشہ وراشیا سپلائی کرتے نظر آتی ہے۔روپئے پیسے کی شدید قلت یا پھر فراوانی برائیوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ایاز بھی ایک ایسا ہی فرد نکلا جسے پیسوں کی کمی نہ تھی اور گھر والوں کی لاپرواہی اور آوارہ دوستوں نے غلط راہ پر ڈال دیا تھا بچپن میں جس سے میں دوستی کا خواہاں تھا آج اس سے ملنا بھی نہیں چاہتا تھا۔والد روپئے کمانے کے چکر میں عرب ممالک میں رہے، پیسہ تو خوب کمایا مگر اپنے پیارے بیٹے کو آوارگی سے نہ بچا سکے۔ایسے میں دولت کیا کام آئی؟غلط راہ پر دیکھ کر اسے سدھارنے کی کوشش نہ کرتے ہوئے مسئلہ کا آسان حل انھیں یہ نظر آیا کہ گھر سے نکال دیا۔کیا ایسے مسئلہ میں یہی حل ہوتا ہے؟نہ جانے میں کیا کیا سوچتا رہا، الجھتا رہا۔دو چار بار آفس آتے جاتے ہوئے میں نے ایاز کو راستے میں دیکھا، اس سے ملا، ساتھ چائے پی، اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ دس

بیس روپے کی ڈیمانڈ کرتا اور نکل جاتا۔

ایک تحقیقی کام کے سلسلہ میں مجھے انگلینڈ جانا پڑا۔ جس دن میں ائیر پورٹ کے لئے روانہ ہوا تھا اس دن راستے میں مرول ناکہ سگنل کے پاس میں نے ایاز کو چند نشہ بازوں کے ساتھ بیٹھے دیکھا سب کے سب نشہ کرنے میں مشغول تھے۔ میں نے آواز دینی چاہی پر سگنل گرین ہو گیا اور میری ٹیکسی آگے نکل گئی۔ اپنا تحقیقی کام مکمل کرنے میں مجھے چار برس لگے اور تب کہیں میں اپنے وطن لوٹ سکا۔ سنسار ہوٹل کی طرف سے میرا کئی بار آنا جانا ہوا ایسے میں میری نظریں ایاز کو ڈھونڈتی رہیں۔ کئی بار میں شام کے وقت ایاز کی تلاش میں جاتا رہا۔ ایک دن میری اہلیہ نے مجھ سے کہا۔ ''آپ چار سال سے زیادہ ملک سے باہر رہے ہیں۔ اس طرح نشہ کرنے والوں کی زندگی ہی کتنی ہوتی ہے۔ کہیں مر کھپ گیا ہو گیا۔'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''ایسا نہیں کہتے کسی کے بارے میں، وہ بھی تو کسی کی اولاد ہے''۔ ''ارے جب گھر والوں نے ہی نکال دیا تھا تو اولاد کا ہے کی۔'' وہ بہت کچھ بولتی رہی۔ میں نے کچھ سنا کچھ ان سنا کر دیا۔ وہ اتوار کا دن تھا۔ سندر نگر مسجد میں کسی رشتے دار کے چالیسویں کی مجلس تھی۔ میں اس میں شریک ہوا۔ مجلس ختم ہونے کے بعد نیاز چکھنے کے لئے مسجد کے پہلے منزل پر جا رہا تھا تبھی کسی نے پیچھے سے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سلام کیا۔ میں جواب دینے کے لئے پلٹا۔ میرے سامنے ایاز کھڑا تھا۔ میں دنگ رہ گیا، اسے دیکھتا رہا۔ تقریباً ساڑھے چار سال بعد اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی حالت کچھ حد تک ٹھیک لگی۔ اس کے کپڑے، چہرہ صاف ستھرے تھے اور وہ مجلس میں شریک تھا۔ پہلی بار مجھے اس سے باتیں کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی۔ میں اسے ساتھ لئے پہلے منزل پر گیا، ہم نے نیاز ساتھ ہی کھائی۔ مسجد سے باہر آنے پر میں نے کہا۔

''چلو چائے پیتے ہیں ہوٹل میں''۔ تب تک اس نے ایک نقاب پوش خاتون کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ ''میری وائف آ گئی ہے، میں جاؤں گا''۔ ''وائف؟.... تمہاری وائف؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔ ''ہاں میری وائف نیلوفر، جس نے مجھ جیسے گردولے سے شادی کی اور مجھے نئی زندگی عطا کی''۔ یہ کہتے ہوئے مجھے ڈھیر سارے سوالوں میں غوطہ زن ایاز چھوڑ گیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ پر اتنی خوشی ضرور تھی کہ ایاز کی اندھیری ڈوبتی زندگی میں روشنی آ گئی تھی اور اس کا سفر جاری و ساری تھا۔

*_*_*

حاصلِ مطالعہ — عاصی صحرائی

سُنا ہے

سُنا ہے کل جنت میں سہمے ہوئے ۳۰ پرندوں کا کہیں سے اُڑ کر آیا۔ اور درختوں کی شاخوں پر خاموشی سے بیٹھ کر بچھڑے ہوؤں کو یاد کرنے لگا۔

سُنا ہے کل یزید، ہٹلر، فرعون اور چنگیز خان دوزخ میں گلے لگ لگ کے روئے۔

سُنا ہے کل شیطان نے اپنے بچوں کو اَعُوذُ بِاللہِ مِنَ الاِنسان پڑھنے کا سبق دیا۔

سُنا ہے کل شہروں کے قریب رہنے والے درندے اپنے بچوں کا پہرہ دیتے رہے۔

سُنا ہے کل باغوں کی سب کلیوں نے کھلنے سے انکار کر دیا۔

سُنا ہے کل طاقوں میں سب چراغ جلتے بھی رہے جلاتے بھی رہے مگر اندھیرا نہ چھٹا۔

سُنا ہے کل پہلے زندگی موت سے ڈرتی تھی اب موت زندگی سے ڈرتی ہے۔

سُنا ہے کل اسرافیل نے صور پھونک دیا مگر دنیا والے اسے نہ سُن سکے۔

سُنا ہے کل آدم کو سجدہ کرنے والے کچھ فرشتے شرمندہ کچھ پشیمان تھے۔

سُنا ہے کل فرشتوں نے خدا سے پھر پوچھا (تُو دنیا میں اسے پھر خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو دنیا میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔

سُنا ہے کل خدا نے پھر کہا ہے کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

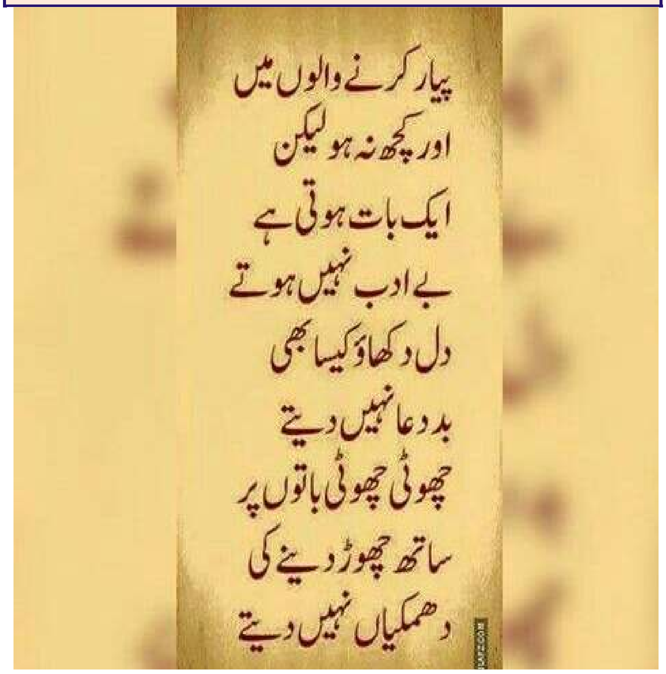

کہیں ایسا بھی ہو جاتا

ڈاکٹر سعدیہ بشیر

کچھ روز پیشتر ہمیں ایک آکوپنکچر کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا۔ یہ کانفرنس تمام طریقہ ہائے علاج سے متعلق ڈاکٹرز کی باہمی مشاورت پر مبنی تھی۔ اوراس کا مقصد صرف صحت کی بحالی اور بیماری کا علاج تھا خواہ وہ طب سے ہو یا ہومیوپیتھی یا پھر جڑی بوٹیوں اور آکوپنکچر کے ذریعے سے نہایت قابل ڈاکٹرز کے پیپرز سنتے ہوئے ہمیں ان پر رشک آرہا تھا۔ وہ سب اس چینی طریقہ علاج سے بخوبی واقف تھے جس سے جسم کے مقررہ حصوں کے ذریعے بیماریوں کا علاج ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ شاید چینی قوم کی ترقی کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اسی طرح معاشرے میں کسی بھی خرابی کی جڑ تک پہنچ کر بہترین نتائج حاصل کر لیتے ہیں۔ کچھ عرصہ سے ہمارے یہاں بھی آکوپنکچر نے کافی مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ اس علم کی افادیت اور ڈاکٹرز کی مہارت کا اندازہ ہمیں انکے لیکچرز سے ہوا۔ آکوپنکچر کا تمام تر دارومدار پوائنٹس کی شناخت پر ہے۔ اور اچھا ڈاکٹر ہر بیماری کے علاج کیلئے ان پوائنٹس سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔

پلک جھپکتے ہی ہمیں وہ ڈاکٹرز تخت نشینی کے حق دار نظر آنے لگے۔ آخر انکے اندر وہ صلاحیتیں موجود تھیں کہ کون سے مسائل میں کون سے پوائنٹ پر ہاتھ رکھنا ہے۔ کہاں عوام کو روکنا ہے؟ کہاں بھیڑ چال کی صورت رواں رکھنا ہے۔ کس ٹارگٹ سے ان کا راستہ تبدیل کرنا ہے۔ کیسے نصاب کے ذریعے انکے دماغوں کو سلانا ہے اور الیکشن کے قریب کن کن نعروں کے ذریعے اس سوئی قوم کو جگا کر ووٹ بنک بھرنا ہے۔ ڈاکٹرز حکمرانوں کی طرح نبض شناس معلوم ہوتے تھے جو سارے پوائنٹس کورٹے ہوئے تھے۔ ہمیں اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا۔ اب تک کسی پوائنٹ کی سمجھ نہیں آسکی۔ ہم اپنے بیمار لاشے لئے زندگی کی بھاگ دوڑ میں شامل ہیں لیکن ایسے کسی پوائنٹ کو نہیں سمجھ سکے جو ہمارے ذہنوں کو جلا بخش دے یا ہماری نیم خوابیدہ سوچ کو جگا سکے۔ ہمارے اندر یہ خواہش شدت سے ابھر رہی تھی کہ کاش ہم بھی سماجی بیماریوں سے متعلق پوائنٹس کا علم حاصل کر سکیں اور ہمیں ایسی سوئیاں مل جائیں جنہیں ہم ایسے ناسوروں پر آزما سکیں جس سے سسٹم کو تو کوئی نقصان نہ ہو لیکن فاسد خون سارا کا سارا بہہ جائے۔ ہم اپنی لاعلمی سے کند اوزار ہاتھ میں لئے اس سسٹم میں جگہ جگہ سوراخ کر چکے ہیں لیکن نتیجہ صفر، اس غلط طریقہ علاج نے ہمارے نظام اور معاشرہ کی تمام تر خوبصورتی غارت کر دی ہے۔ لیکن ہم نیم مسلمان کے مصداق خطرہ ایمان بھی بنے ہوئے ہیں اور نیم حکیم بن کر خطرہ جان بھی بن چکے ہیں۔ اُدھوری قابلیت اور اُدھوری صلاحیتوں نے ہمارے اندر سب کچھ جاننے کے زعم کی بیماری پیدا کر دی ہے جس کا علاج کسی بھی طب میں ممکن نہیں۔ بس ہاتھوں میں اخلاقی برائیوں کی سوئیاں لئے ہم سوراخ پہ سوراخ کرتے چلے جارہے ہیں۔ اس کیلئے جواز فراہم کرنا ہمیں خوب آتا ہے۔ ہم نت نئی کہانیاں گھڑنے کے خوگر ہو چکے ہیں۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ ہماری یہ جھوٹی سچی کہانیاں اس نظام کے بخیے ادھیڑتی چلی جارہی ہیں۔ ہم نہ تو کہانی کی نیت سے واقف ہیں اور نہ کہانی کے مقصد سے ادھر ادھر کے قصوں سے کہانیاں بنانے اور سنانے میں ہم اتنے طاق ہو چکے ہیں کہ ہمیں نہ تو کسی کی دل آزاری کا خیال آتا ہے اور نہ ہی کبھی یہ خلش ستاتی ہے کہ اس سے کسی کی زندگی تباہ ہو سکتی ہے۔

سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ہم نے مسیحائی کا فریضہ انہی ہاتھوں کو سونپ رکھا ہے جو اپنے فرائض اور پیشے کے تقدس سے نابلد ہیں۔ آکوپنکچر در حقیقت قدیم چینی طریقہ علاج ہے۔ ابتداً اس طریقہ علاج میں ہڈیاں اور نوکیلے پتھر بھی استعمال کئے جاتے تھے۔ ہم ماضی، حال اور مستقبل کے تقاضوں سے بے خبر روایات کی مردہ ہڈیاں اور ہٹ دھرمی کے نوکیلے پتھروں سے جدیدیت کے ریشے تار تار کرنے میں مشغول ہیں۔ اس طریقہ علاج سے نہ تو جدیدیت کا حسن برقرار رہتا ہے اور نہ ہی روایت کا افادی پہلو قائم رہ سکتا ہے۔ ہماری نادانی کے نشتروں نے ایسے خلا پیدا کر دیئے ہیں جن کو پر کرنا ہر چند مشکل تو نہیں لیکن ہماری بے بضاعتی نے انہیں اتنا مشکل بنا دیا ہے کہ بے گناہ زندگیاں اور معصوم خواہشوں کا خون بھی ان خلاؤں کو بھرنے میں ناکام ہیں۔ یہ ایسے خلا بن چکے ہیں جو بھرنے کا نام ہی نہیں لیتے، ہم قربانیوں کے بعد شمعیں جلا کر انہیں دفنا دیتے ہیں۔ ہم نہ تو بیماری کی تشخیص کرنے کے قابل ہوتے ہیں اور نہ ہی طریقہ علاج سے ہم اپنے حال پر توجہ دینے اور اسکو بہتر بنانے کی بجائے ماضی کے خدوخال سنوارنے اور سدھارنے کی کوشش میں

مشغول رہتے ہیں۔ ہمارے سامنے حادثات کے نقوش تنے کھڑے رہتے ہیں لیکن ہماری دانش مندی ماضی کی روایات اور انکے تجزیے میں مصروف ہے۔کہیں ایسا بھی ہوجاتا کہیں ویسا بھی ہوجاتا کی خواہش نے ہم سے شعور ہی چھین لیا ہے۔

چور کے ہاتھ کاٹا ہوں تو ہمیں اسلام کی سزائیں ظالمانہ لگتی ہیں لیکن کسی محنت کش کے ہاتھ اور بازو کٹ جائیں تو بس چند دنوں کا راگ......پھر نوحہ کرتی خاموشی۔قتل کے بدلے پھانسی ہو تو ظلم کی انتہا لگتی ہے اور بنا کسی جواز کے پتھر مار کر، جلا کر، ڈنڈوں سے، گاڑی سے گھسیٹتے ہوئے کسی کو مار ڈالیں تو پھر بھی نوحہ کرتی خاموش تصویریں ہی رہ جاتی ہیں۔اور ہم ماضی کے راز عیاں کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ کہانی بنانے اور سننے کے شوق نے ہمیں ملاوٹ کا عادی بنا دیا ہے جب تک ہم حقائق کو توڑ مروڑ کر اپنی پسند کی کہانی نہ بنا لیں ہمیں اپنی دانائی پر شبہ رہتا ہے۔سو خود کو اس شک سے مبرا کرنے کیلئے ہم کہانیاں بنانے کے فن میں طاق ہو چکے ہیں۔اپنے اپنے مسلک،عقیدے اور بزرگوں کے متعلق سب کی اپنی اپنی پسندیدہ حکایات ہیں۔جھوٹ سچ کی آمیزش پر اتنی پختہ عمارات کھڑی ہیں کہ ان کو گرانا اب ممکن نہیں رہا۔ان عمارات میں کوئی کھڑکی کوئی روشن دان یا ہوا کا گزر محال ہے،ان سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہم نے چھوڑا ہی نہیں۔ہم سب ایک ہیں الگ الگ راستوں سے گزر کر بھی اکٹھے ہو سکتے ہیں اللہ کرے ہم وہ پوائنٹس سمجھ لیں جو ایک راستے پر یکجا کر دیتے ہیں اور ہم بھی ایک قوم بن کر سوچنا سیکھ لیں۔

قیمتی معلومات

ثقلین مبارک

☆ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ تمام پرندے اپنی بولیاں بولتے ہیں لیکن آپ یقین کیجئے کہ ایک ایسا پرندہ بھی ہے جو نہیں بولتا اسے گونگا پرندہ بھی کہہ سکتے ہیں اس پرندے کا نام سارس ہے۔ بھارت کی ریاست پرتاپ گڑھ کے ایک ہندو مہاراجہ نے ایک جنگ میں ریاست گروارا کے ہندو راجہ کو شکست دینے کے بعد وہاں کی رعایا کو ذلیل کرنے کے لئے ویک گیڈر کو تاج پہنا کر بارہ برس تک ریاست گرداور کا راجہ بنائے رکھا۔

☆ جنوبی امریکہ میں ایک ایسی نسل کا بندر پایا جاتا ہے جس کے جسم کی لمبائی ساڑھے پانچ انچ ہوتی ہے اس نسل کے بالغ بندروں کا وزن عام طور پر دو سو پچاس گرام ہوتا ہے یہ بندر درختوں پر رہتے ہیں عام طور پر کیڑے مکوڑے یا درختوں کے پھل کھا کر گزارہ کرتے ہیں۔

☆ برازیل میں ایسے مینڈک پائے جاتے ہیں جس کی آنکھوں کے اوپر چھوٹے چھوٹے سینگ ہوتے ہیں اور وہ کتوں کی طرح بھونکتے ہیں اور اگر گھوڑے کو کاٹ لیں تو وہ مر جاتا ہے۔

☆ شمالی امریکہ میں سانپ کی ایک ایسی قسم پائی جاتی ہے جسے شیشے کا سانپ کہتے ہیں اس کو پکڑنا انتہائی مشکل ہوتا ہے اس کو جیسے ہی چھوا جائے یہ اپنے آپ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ہلاک کر لیتا ہے۔

☆ لوبسٹر ایک کیڑے کا نام ہے اسے حیرت انگریز کیڑا بھی کہتے ہیں اس کی دو آنکھیں ہوتی ہیں اور ہر آنکھ میں تیرہ ہزار عدسے اور تیرہ ہزار اعصابی ریشے ہوتے ہیں اگر لوبسٹر کی آنکھ ضائع بھی ہوجائے تو یہ آنکھ نئے سرے سے پھر پیدا ہوجاتی ہے۔بالکل پہلے والی آنکھ کی خاصیت کے ساتھ۔

☆ آسٹریلیا کے بعض علاقوں میں ایسے بکرے پائے جاتے ہیں جو مچھلیا کھاتے ہیں اور درختوں پر بھی چڑھ جاتے ہیں۔

☆ دنیا میں سب سے پہلے ٹی وی کا کامیاب تجربہ 1925ء میں ہوا۔

☆ سمندر کی زیادہ سے زیادہ گہرائی تقریباً 11 کلومیٹر (10923 میٹر) ریکارڈ کی گئی ہے۔

☆ فرانس کے شہر پریس میں کتوں کا سب سے بڑا قبرستان ایمئی ریس ہے جس میں چالیس ہزار سے زائد کتے دفن ہیں۔

☆ اٹھارویں صدی میں کیچپ بطور دوا استعمال ہوتا تھا۔

☆ کھانسے اور چھینکے پر جسم سے ہوا آواز کی رفتار سے زیادہ تیزی سے نکلتی ہے۔

☆ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے جسم میں 300 ہڈیاں ہوتی ہیں جو بالغ ہونے تک صرف 206 رہ جاتی ہیں۔

☆ اگر موٹے گلاس میں گرم مشروب ڈالا جائے تو پتلے گلاس کی نسبت اس کے ٹوٹنے کے امکانات کم ہوتے ہیں۔

☆ ربڑ کے زیادہ تر درخت جنوبی مغرب ایشاء میں پائے جاتے ہیں۔

☆ دنیا کا سب سے غریب ملک روانڈا ہے۔

☆ وہیل اور کوئے کی اوسط عمر 500 سال کی ہوتی ہے۔

مولانا طاہر اشرفی کا کردار

آخری زمانہ کی بدترین مخلوق ۔ ملاں

صاحبزادہ ضیاءالرحمٰن ناصر

پانامہ لیکس کے بعد طاہر اشرفی لیکس، مولانا کے خلاف پہلے تو کچھ بھی نہیں ہوا بُرے دن تو اب شروع ہوئے ۔۔۔لاہور (تہلکہ ٹی وی) میں نے یہ کہانی منظر عام پہ لانے کا اعلان اپنے فیس بک پر کیا تو اشرفی صاب کے ہم پیالہ وہم نوالہ خاص دوستوں نے میرے ذاتی دوستوں تک اپروچ کی، ان دوستوں میں سے کچھ نے فون اور کچھ نے ٹیکسٹ میسیجز کے ذریعہ مجھے سمجھانے اور دھمکانے کی بہت کوشش کی، اور دلیل یہ دی، کہ وہ ایک دیوبندی عالم ہے، آپ خود مولوی ہوکر علماء کے مقام کو لبرلز کی نظر میں گرانے اور ملیامیٹ کرنے کی کوشش کررہے ہیں، یہ مناسب نہیں! میرا جواب ان سب کو یہ تھا کہ اگر طاہر اشرفی کے عیوب صرف اس کی ذات تک محدود ہوتے تو واللہ میں اب بھی ان پہ پردہ ڈالے رکھتا، جس طرح اتنے سال پہلے بھی ڈالے رکھا، لیکن اب وہ انٹرنیشنل فورمز پہ پاکستان اور علماء پاکستان کو ذلیل وخوار کرنے کے لئے عالمی طاقتوں کا ایجنٹ بن چکا ہے، اگر اب بھی میں خاموش رہا، تو عنداللہ میں مجرم ہونگا، نیز ایک مچھلی پورے جل کو گندا کردیتی ہے، جب تک ہم اپنی صفوں میں چھپی ہوئی کالی بھیڑوں کو ظاہر نہیں کریں گے، ہماری اپنی صداقت پہ بھی انگلیاں اٹھیں گی، کوئی شخص اگر اپنے آپ کو دیوبندی کہلواتا ہے، یا کسی دیوبندی ادارے کی طرف اپنی نسبت ظاہر کرتا ہے، اور انٹرنیشنل فورمز پہ اپنے آپ کو پورے پاکستان کے علماء کا صدر یا چیرمین بتلاتا ہے، تو اسے یہ حق کس نے دیا ہے؟ کم از کم میں تو قطعی طور پہ یہ برداشت نہیں کرسکتا! کہ وہ ہمیں یا ہمارے مدارس کو دنیا میں جب اور جہاں چاہے، چند ٹکوں کے عوض بیچ دے!

آج کے اُمت اخبار نے بھی موصوف کے کچھ حقائق چھاپے ہیں، لیکن جو باتیں میں شئیر کرنے لگا ہوں، ان میں سے ایک بات بھی کُھل کے اُمت یا کسی دیگر اخبار نے آج تک چھاپنے کی جرأت نہیں کی! وجہ کسی قسم کی لالچ یا خوف واللہ اعلم۔

لاہور انجینئرنگ یونیورسٹی کے قریب رہائش پذیر حافظ طاہر محمود اشرفی نے کچھ عرصہ لاہور کے ایک بہت بڑے تعلیمی ادارہ میں تعلیم حاصل کی! بعد ازاں موصوف جمعیت علماء اسلام کے لاہور آفس چوک رنگ محل میں بطور چپڑاسی تعینات ہوئے، وہیں سے ایک بہت بڑے عالم دین کی سفارش پہ موصوف کو لاہور میونسپل کارپوریشن کے زیر اہتمام چلنے والے ایک پرائمری اسکول میں ٹیچر تعینات کیا گیا، کچھ عرصہ موصوف یہ ٹیچری کرتے رہے، لیکن موصوف دنیا فتح کرنے کی اُمنگ دل میں لئے اپنے وقت کے مشہور ترین عالم اور خطیب پاکستان (اب مرحوم) کی چوکھٹ پہ جا پہنچے، بار بار کی منتوں ساجتوں کے بعد خطیب پاکستان نے اپنے قریبی دوست جو راولپنڈی کے رہائشی ہیں، جن کا فرضی نام ہم عبداللہ تصور کرلیتے ہیں، (یہ عبداللہ صاحب میرے بھی ذاتی اور قریبی ترین دوست ہیں، یوسف رضا گیلانی کے بیٹے والی سٹوری بھی مجھے انہوں نے ہی بتائی تھی) ان عبداللہ صاحب کے پوری پاکستانی ملٹری اور سول اسٹیبلشمنٹ سے 1974 سے بہت ہی قریبی اور ذاتی تعلقات ہیں، عبداللہ صاحب نے موصوف کو اپنے تعلقات کے بل بوتے پہ CID لاہور میں 1500 روپے ماہوار پہ ملازمت دلوادی، CID کے افسران بالا کو انٹرویو کے درمیان جب یہ معلوم ہوا، کہ موصوف جمعیت کے آفس میں نوکری بھی کرتے رہے ہیں، جہاں جمعیت کے تمام بزرگوں کا آنا جانا اور اکثر ٹھہرنا بھی ہوتا ہے، تو موصوف کی ڈیوٹی علماء کی مُخبری کرنے پہ لگادی گئی، کچھ عرصہ بعد انٹیلی جنس بیورو پنجاب جسے عرفِ عام میں IB کہا جاتا ہے، کے جائنٹ ڈائریکٹر جو ایک جنرل کے ماموں بھی تھے، (نام ظاہر کرنا مناسب نہیں) کو ان کے چند افسروں نے بتلایا، کہ ہمارے دیگر مُخبر ناکام ثابت ہورہے ہیں، CID پنجاب کا ایک مخبر طاہر اشرفی اس وقت بہت کامیاب جارہا ہے، اسی وجہ سے سی آئی ڈی کی علماء کے بارہ میں رپورٹس زیادہ تفصیلی بھی ہوتی ہیں، اور کارآمد بھی! لہٰذا اس کو کسی طریقہ سے انٹیلی جنس بیورو میں لایا جائے! اس آفیسر نے جب چھان پھٹک کی، کہ یہ شخص کس طریقہ سے سی آئی ڈی کا مُخبر بنا ہے، تو اسے معلوم ہوا، عبداللہ صاحب نے جو جائنٹ ڈائریکٹر صاحب کا بھی دوست ہے، اسے خطیب پاکستان کے کہنے پہ سی آئی ڈی میں بھرتی کروایا ہے، جائنٹ ڈائریکٹر آئی بی نے اپنے عبداللہ سے ملاقات کی اور درخواست کی کہ آپ نے اسے سی آئی ڈی میں لگوایا ہے، ایسا کارآمد بندہ تو ہمیں چاہئے، جائنٹ ڈائریکٹر کے اصرار پہ عبداللہ صاحب نے

طاہر اشرفی کو ان سے ملوایا، تو ان صاحب نے 2000 روپے ماہانہ کے عوض انٹیلی جنس بیورو پنجاب میں مُخبر کی ڈیوٹی تفویض کر دی! اب موصوف نے ایک ہی وقت میں دو ایجنسیوں، CID اور IB میں بطور مُخبر کام کرنا شروع کر دیا، اس زمانہ میں موصوف کا موبائل نمبر یہ تھا، 03008446612

ان ملازمتوں کے دوران موصوف کے علم میں یہ بات آئی، کہ تیز ترین ترقی کے لئے افسران بالا کی گُڈ بک میں آنا ضروری ہے، اور افسران بالا کا شوق دو ہی چیزیں ہیں، اچھی شراب اور خوبصورت لڑکی!۔ اب موصوف نے علماء کی مُخبری کے ساتھ ساتھ ان دونوں اشیاء کی افسران بالا کو سپلائی کا ٹھیکہ بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا، اپنی انہی خدمات کے عوض موصوف اس زمانہ میں CID کے DIG پنجاب کی نگاہوں میں آ گئے یہ ڈی آئی جی سی آئی ڈی بعد میں ترقی کرتے کرتے ایف آئی اے پاکستان (FIA) کے ڈائریکٹر جنرل بنے! ایف آئی اے فیڈرل انوسٹی گیشن ایجنسی کا مُخفف ہے! 1990 کی دہائی کو اسٹیبلشمنٹ کے حلقوں میں پاکستان میں مذہبی منافرت اور دہشت گردی کے عروج کا دور کہا جاتا ہے، اس زمانہ میں بڑے بڑے قیمتی علماء کو شھید کیا گیا، اور یہی زمانہ تھا، جب اپنی خدمات کی وجہ سے طاہر اشرفی CID,DIG کی نظروں میں سمایا، اسی نوے کی دہائی میں ڈی آئی جی سی آئی ڈی مذہبی دھشت گردی کو کنٹرول کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے تھے، انہوں نے طاہر اشرفی کو اپنے زیر سایہ لے لیا، اس زمانہ میں اک محتاط اندازے کے مطابق اسی فیصد سے زائد دیوبندی علماء کی گرفتاریاں یا گرفتاریوں کے لئے چھاپے طاہر اشرفی کی رپورٹس پہ ہی مارے جاتے تھے، خوشامد اور چاپلوسی موصوف کا طُرہ امتیاز تھا، اور ہے! علماء کرام اپنی سادہ لوحی سے اسے اندر کی ہر بات بتا دیا کرتے تھے، اور موصوف اپنے افسران بالا کو! اسی دوران طاہر اشرفی نے عمرہ ویزا کا کاروبار بھی شروع کیا، لیکن اس میں خاطر خواہ آمدن نہ ہونے کے سبب کچھ ہی عرصہ بعد اس کاروبار کو چھوڑ دیا، لاہور کی خوبصورت ترین ٹاپ کلاس کال گرلز کو دلاور خان ڈی آئی جی پولیس کے جعلی نام سے بلیک میل کر کے ان کے ساتھ راتیں گذارنا بھی موصوف کا محبوب ترین مشغلہ رہا ہے! اسی زمانہ میں پنجاب پولیس کے ایک دبنگ آفیسر ذوالفقار احمد چیمہ جنہیں بعد میں موٹر وے پولیس کا آئی جی لگایا گیا، شدت سے اس بات کے خواہاں رہے، کہ میں اس شخص کو گرفتار کر کے جیل میں ڈالوں، لیکن ہر بار انٹیلی جنس بیورو کے اعلٰی افسران کی مداخلت پہ چیمہ صاحب ناکام ہوتے رہے،

عزیز دوستوں کے سامنے چیمہ صاحب اپنی اس تاریخی ناکامی کو اپنے کیریر پہ بدنما داغ کے طور پہ لیتے ہیں، 9/11 کے بعد جب مجاہدین پہ مشکلات کا دور شروع ہوا، تو موصوف نے مجاھدین سے رقم لے کے انہیں سرحد پار کروانے کا کام شروع کیا، کچھ لوگوں کو موصوف بارڈر کراس کروا دیتے تھے، اور اہم ترین لوگوں کی مُخبری کر کے ان کو گرفتار کروا دیتے تھے، اور اس کا معاوضہ حکومت پاکستان سے لیتے تھے!

سابق بریگیڈیر اعجاز شاہ (جنہیں محترمہ بےنظیر بھٹو شہید نے 2007 میں کراچی آمد پہ دھماکوں کے ماسٹر مائنڈ کے طور پہ چوہدری پرویز الٰہی اور ارباب غلام رحیم وغیرہ کے ساتھ نامزد کیا تھا) یہ صاحب کافی سالوں تک آئی ایس آئی کے سیکٹر کمانڈر رہے ہیں، پھر پنجاب کے ہوم سیکریٹری بعد ازاں چار سال تک آئی بی پاکستان کے ڈائریکٹر جنرل بھی رہے ہیں، اسامہ بن لادن کو ایبٹ آباد میں چُھپانے اور حرکت المجاہدین کے کچھ معاملات کے ساتھ ساتھ اور بہت سے معاملات میں ان سابق بریگیڈیئر صاحب کا لنک بتایا جاتا رہا ہے، انہیں پرویز مشرف کا رائٹ ہینڈ ہی نہیں بلکہ مشرف کی ناک کا بال سمجھا جاتا تھا، ان بریگیڈیر اعجاز شاہ کو 2004 میں جب انٹیلی جنس بیورو کا چیف مقرر کیا گیا، تو موصوف نے طاھر اشرفی کی اب تک کی خدمات کے عوض طاہر اشرفی کو ایڈوائزر مذہبی امور برائے گورنر پنجاب لگوا دیا!

(اس سے پہلے گورنر لیفٹینینٹ جنرل صفدر سے بھی طاہر اشرفی کے قریبی تعلقات تھے، لیکن اس سے وہ کوئی پوسٹ حاصل نہ کر سکا) ایڈوائزر مذہبی اُمور کو صوبائی وزیر کے برابر پروٹوکول ملتا ہے، اسی پروٹوکول کے مطابق پولیس کا حفاظتی دستہ بمعہ گاڑی جب موصوف کو ملنا شروع ہوا، تو لاہور ڈیفنس K بلاک مکان نمبر 7 میں لاہور کے سب سے بڑے جوئے کے اڈے کی سرپرستی موصوف نے شروع کر دی، یہ جوئے کا اڈا بدنام زمانہ پرویز خان عرف P K Khan کا ہے، اس مکان کے باہر ساری ساری رات پولیس سکواڈ کی گاڑی کھڑی رہتی تھی، جو موصوف کو ان کی حفاظت کے لئے ملی ہوتی تھی، اسی جوئے کے اڈے پہ لاہور کی مہنگی اور خوبصورت ترین کال گرل علوینہ بھی جوا کھیلنے آیا کرتی تھی، طاہر اشرفی اس پہ عاشق ہو گیا، شراب کے نشے میں ڈھت ہو کے ساری رات اپنے عشق کا دَم بھرتا رہتا، اسی زمانہ میں انٹیلی جنس بیورو پنجاب نے پنجاب میں جوئے کے بڑے اڈوں اور ان کے سرپرستوں کی لسٹ اخبارات کو مہیا کی، جس میں مکان نمبر 7,K بلاک ڈیفنس لاہور کے اڈے کا مالک پرویز خان کو اور اس اڈے کا سرپرست طاہر اشرفی کو ظاہر کیا

گیا، اور یہ سرپرستی مذہبی امور کی ایڈوائزری کے پورے دورانیہ پہ مُحیط ہے، جو کہ تقریبا پانچ سال کا عرصہ ہے، لال مسجد کا واقعہ تو ہر پاکستانی مسلمان کے دل پہ نقش ہے، اس ہنگامہ میں بھی موصوف نے اپنا کردار خوب نبھایا، مقتدر حلقوں کو عبدالرشید غازی سے ہتھیار ڈلوانے کا لالچ دے کے موصوف اسلام آباد آئے، بلیو ایریا اسلام آباد کے ہوٹل میں موصوف کو ٹھہرایا گیا، ہوٹل کا نام Hotel De Papae intl ہے، آفیسر مہمانداری کے طور پہ اسلام آباد کے ایک مجسٹریٹ صاحب کی ڈیوٹی لگائی گئی، موصوف کا پہلا حکم ہی یہ تھا، مجھے دو بوتل شراب مہیا کی جائے ''حکم علامہ مرگِ مفاجات'' مجسٹریٹ صاحب نے دو بوتل ولایتی شراب مہیا کی، دو روز تک تو روزانہ دو بوتل شراب مجسٹریٹ صاحب مہیا کرتے رہے، تیسرے دن کسی عزیز کی بیماری کا بہانہ کر کے ڈیوٹی سے چھٹی لے کے مجسٹریٹ صاحب غائب ہو گئے، اور اشرفی صاحب چند روز بعد لال مسجد پہ فاتحہ پڑھ کے واپس لاہور آ گئے! کچھ عرصہ قبل پولیس کے حفاظتی سکواڈ کے ساتھ براستہ موٹروے جب گولڑہ موڑ کی چیک پوسٹ پہ پہنچے، تو ناکہ پہ پولیس نے روک لیا، روکنے والا ایک سب انسپکٹر تھا، جس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی، جب اسے شراب کی بو آئی، تو اس نے کار سے نیچے اُتار لیا، اس سے تلخ کلامی ہوئی، سب انسپکٹر نے اشرفی کے منہ پہ ایک تھپڑ جڑ دیا، اور کہا، کہ تم اپنے آپ کو مولوی کہلواتے ہو، اور سرعام شراب پی رہے ہو، تمہیں شرم آنی چاہئے، اشرفی نے اسے مُعطل کروانے کی بہت کوشش کی، لیکن اس سب انسپکٹر کے افسرانِ بالا نے اُس کا ساتھ دیا، اور وہ آج بھی اپنی ڈیوٹی کر رہا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ قبل کا واقعہ تو جب بھی یاد آتا ہے، تو سر شرم سے جھک جاتا ہے، موصوف ایک یورپین ایمبیسی کی ایک تقریب میں مہمان تھے، وہاں اتنی زیادہ شراب پی لی، کہ طبیعت خراب ہو گئی، اور کار ہی میں اُلٹیاں شروع کر دیں، پولیس ناکہ پہ پولیس نے روکا، اور تھانہ کوہسار لے گئے، وہاں کے آفیسر انچارج شراب نوشی کا مقدمہ درج کرنا چاہتے تھے، کہ اسلام آباد کے ایک بااثر ترین صحافی چھڑوانے کے لئے پہنچ گئے۔ قارئین کے ذہنوں میں ایک بہت بڑا سوال پیدا ہوگا، کہ اتنا کرپٹ ترین شخص اسلامی نظریاتی کونسل کا ممبر کیسے بن گیا، تو آیئے، آپ کے اذھان کا خلجان دور کرتا ہوں۔ پاکستان اور انڈیا کے تعلقات کو بہتر کرنے کے لئے کچھ عرصہ قبل سیفما کے نام سے ایک تنظیم بنی تھی، جس کا صدر معروف صحافی امتیاز عالم ہے، امتیاز عالم ہر وقت شراب کے نشے میں دُھت رہنے والا شخص ہے، موصوف اور ان کی تنظیم سیفما کا اندرون خانہ بنیادی ایجنڈا تقسیم ہند کی لکیر کو ختم کرنا ہے، طاہر اشرفی کے ساتھ چونکہ ہر وقت پولیس سکواڈ ہوتی ہے، اس لئے اس کی گاڑی اکثر پولیس ناکوں پہ نہیں روکی جاتی، موصوف اسلام آباد سے درجنوں کے حساب سے ولایتی شراب کی بوتلیں لا کے لاہور کے باثر شرابی صحافیوں کو بطور تحفہ دیتے ہیں، اس تحفے سے پیپلز پارٹی کے دور میں سب سے زیادہ فیض حاصل کرنے والے امتیاز عالم کو موصوف نے مجبور کیا، کہ مجھے اسلامی نظریاتی کونسل کا ممبر بنوائیں، امتیاز عالم نے پیپلز پارٹی کے مرکزی وزیر اطلاعات قمر زمان کائرہ کو مجبور کیا، قمر زمان کائرہ کی سفارش پہ موصوف کو اسلامی نظریاتی کونسل کا ممبر بنایا گیا! پیپلز پارٹی دور کے سابق وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف کو سفر حج کے دوران عبداللہ (فرضی نام) نے کہا، راجہ صاحب آپ نے اسلامی نظریاتی کونسل کا ممبر ایک انتہائی کرپٹ، زانی، شرابی، بلیک میلر انسان کو بنایا ہے، آپ کا یہ گناہ مُعاف نہیں ہوگا، راجہ پرویز اشرف نے جواب دیا، یہ گُناہ قمر زمان کائرہ کے حساب میں جائیگا، کہ اس نے مجھ سے یہ کام کروایا ہے۔ جن دوستوں کے پیٹوں میں یہ درد ہوتا رہا، کہ یہ ایک عالم دین ہے اور آپ عالم دین کی توہین کے مُرتکب ہو رہے ہیں، ان واقعات کو پڑھ کے وہ اپنے اپنے ضمیروں سے یہ سوال کریں، کیا علماء دین اسی طرح کے ہوتے ہیں، جو جوئے خانوں کی فقط سرپرستی ہی نہ کرتے ہوں، بلکہ خود بھی کروڑوں کا جوا کھیلتے ہوں، لاہور کے بکیوں میں جنہیں گاڈ فادر سمجھا جاتا ہو، جب بھی کوئی سیاسی ہلچل ہو، تو بکی اس سے پوچھ کے جوئے کے ریٹ نکالتے ہوں، طاہر اشرفی یا اس کے کسی حواری اور چیچے نے میرے پیش کردہ حقائق کو جھوٹا ثابت کرنا ہو، تو عدالت عالیہ یا عدالت عُظمیٰ میں میرے خلاف ہتک عزت کی رٹ دائر کریں، میں زندہ گواہوں ویڈیو ریکارڈنگز اور دستاویزی ثبوتوں کے ساتھ عدالت میں اس کا کچا چھٹہ طشت از بام کرونگا۔

لیکن نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں
کہاں تک سُنوگے؟ کہاں تک سُناؤں؟

میرے پاس بے شمار مصدقہ واقعات موجود ہیں، میں صرف ان افراد کے نام لکھ رہا ہوں، جو زندہ ہیں، اور تصدیق یا تردید کر سکتے ہیں۔

اب اک اور داستان سنیئے۔ قارئین کے علم میں یہ بات ہونی چاہئے، کہ کسی بھی مغربی ملک کی نیشنلٹی کے حصول کے کچھ اصول وضوابط ہیں، جن میں سے بنیادی اصول ایک مقررہ مدت تک اس ملک میں قیام پذیر رہنے کے بعد اس ملک کی نیشنلیٹی ملتی ہے! آیئے آپ کو ایک تہلکہ خیز خبر یہ بھی دیتا جاؤں، کہ

طاہر اشرفی اپنی پیدائش سے لے کے آج تک کبھی بھی برطانیہ میں مستقل قیام پذیر نہیں رہا، نہ اس کے والد برطانوی شہری ہیں، نہ اس کی والدہ نہ بیوی نہ بچے، یہ وہ رشتے ہیں، جن کی بنیاد پہ بھی آپ برطانوی شہریت کے حقدار بن سکتے ہیں ، یا آپ ایک مخصوص انویسٹمنٹ برطانیہ میں کر کے جو تین کروڑ پاکستانی کے قریب ہے،صرف رہائشی ویزا حاصل کر سکتے ہیں، اس میں بھی کافی سالوں کے بعد جاکے نیشنلٹی ملتی ہے،اس میں بھی ایک بنیادی شق ہوتی ہے،کہ ان ڈیفینیٹ سٹمپ لگنے کے بعد پورے سال کے دوران برطانیہ سے تین ماہ سے زیادہ ایک منٹ کے لئے بھی باھر نہ جایا جائے، پھر آپ نیشنلیٹی اپلائی کرنے کے حقدار بنتے ہیں۔ طاہر اشرفی نے ان میں سے کوئی کام بھی نہیں کیا، پھر بھی وہ برطانیہ کا پاسپورٹ ہولڈر ہے!

پاکستان کے بڑے بڑے سیاسی لیڈر کافی سال برطانیہ میں گذارنے کے باوجود برطانوی پاسپورٹ حاصل نہ کر سکے! لیکن طاہر اشرفی نے پاکستان میں بیٹھ کے یہ ناممکن کام کر دکھایا؟

حالانکہ طاہر القادری جیسے شخص کو بھی کینیڈین نیشنلیٹی لینے کے لئے ادارہ منہاج القرآن فارسٹ گیٹ لندن کے اکاؤنٹ میں سے تین لاکھ پاؤنڈ انویسٹمنٹ کے نام پہ کینیڈا ٹرانسفر کرنے پڑے تھے،اور پھر وہاں کا ویزا ملنے کے بعد مستقل وہاں ڈیرا ڈالنا پڑا تھا،لیکن طاہر اشرفی نے ایک ناممکن کام کر دکھایا، کہ پاکستان میں رہ کے برطانوی سُرخ پاسپورٹ حاصل کر لیا! اخبارات پڑھنے والے قارئین کو اسلام آباد کی نواحی بستی کی رہائشی 14 سالہ رمشا مسیح کا اگست 2012 کا کیس یاد ہوگا، جسے قرآن مجید کے اوراق جلانے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا! جسے نومبر 2013 میں تمام الزامات سے بری کروا کے پوری فیملی سمیت کینیڈین ایمبیسی نے کینیڈا کے کسی نامعلوم مقام پہ منتقل کروا دیا تھا!اس کیس میں طاہر اشرفی نے رمشا مسیح کی کُھل کر تمام میڈیا میں حمایت کی تھی، رمشا مسیح اور اسکی فیملی کے مُلک سے جانے کے فوراً بعد سوئس ایمبیسی، سویڈش ایمبیسی، فرنچ ایمبیسی اور برطانوی ایمبیسی کے آفیسران سے طاہر اشرفی نے ملاقات کی،اور اپنے آپ کو ملنے والی جھوٹی قتل کی دھمکیوں اور دیگر پرانی خدمات کے معاوضے کے طور پہ پاسپورٹ کی ریکوئسٹ کی، جسے برطانوی ایمبیسی میں قبول کر لیا گیا،اور موصوف کو گھر بیٹھے ہی سُرخ پاسپورٹ مل گیا۔اسلام آباد میں ایک برادر عرب مُلک کے سفیر صاحب بھی موصوف کے پیش کردہ تحائف ولایتی شراب اور لڑکیوں سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں،جس کی رپورٹ پاکستانی ایجنسیوں نے متعلقہ مُلک تک پہنچادی،جس کی پاداش میں سفیر موصوف کو اگلے ماہ تک ان کے ملک واپس بلوایا جا رہا ہے۔

2016 میں موصوف نے امریکن سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی دعوت پہ امریکہ کا پانچ روزہ خفیہ دورہ کیا،اس دورہ میں موصوف کو واشنگٹن ڈی سی کے ایک ہوٹل میں ٹھہرایا گیا،اور ان سے وہ مشہور معاہدہ کیا گیا،جس کی تفصیلات اخبارات میں پہلے ہی چھپ چکی ہیں اور حالیہ ستاسی لاکھ یورو کے جرمن معاہدہ کی تفصیلات بھی منظر عام پہ آ چکی ہیں۔پاکستان کے نوجوان علماء جن کو موصوف یہ دھمکیاں دے کر اپنے ساتھ ملاتے ہیں،کہ اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا،تو تمہیں میں فورتھ شیڈول میں ڈلوادونگا اور پولیس تمہیں ہروقت تنگ کرے گی تمہارا بنک اکاؤنٹ، شناختی کارڈ وغیرہ ضبط ہوجائیں گے،تمہارا نام دھشت گردوں میں آجائیگا!ان نوجوان علماء سے میں یہ گذارش کرونگا، یہ شخص تو خود لشکر جھنگوی کے دھشت گردوں کا قریبی ساتھی رہا ہے،اوران دہشت گردوں سے لوگوں کو اُٹھواکے ان سے بھتے وصول کرتا رہاہے، اور یہ سب کچھ ایجنسیوں کے علم میں ہونے کے باوجود آج تک اس پہ اس لئے ہاتھ نہیں ڈالا گیا،کہ اس نے ان کو یہ تاثر دیا ہوا ہے، میرے ساتھ پاکستان کے ہزاروں نوجوان علماء ہیں، میں ایک لمحے میں پورا ملک بند کروادونگا، میں دیوبندیت کا مُحافظ ہوں،تمام دیوبندی تنظیمیں میرا دم بھرتی ہیں،وغیرہ وغیرہ میرے دوستو!اپنے گذرے ہوئے یا موجودہ اکابرین کے تقوٰی اور ایمان کی طرف نظر کریں اور اس شخص کی طرف بھی کہ جس کا سگا باپ اس کے گھر کا پانی پینا بھی گوارا نہیں کرتا (موصوف کے والد تبلیغی جماعت کے ساتھ منسلک اور انتہاءمتقی انسان ہیں) آپ ایسے ننگِ دین ننگ اسلاف شخص کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں،اور پوری دنیا کو یہ بات بتا دیں کہ طاہر اشرفی جیسے دین دشمن اور دین فروش شخص سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔بہت سارے حقائق ہیں، فی الحال اسی پہ اکتفا کرتا ہوں،اگر ضرورت پڑی تو دوسری قسط اس سے بھی تہلکہ خیز سامنے لاؤنگا، موصوف کی ناقابل اشاعت تصاویر، ویڈیوز اور آڈیو ریکارڈنگز کے ساتھ انشاءاللہ۔اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

تحریروتحقیق: صاحبزادہ ضیاءالرحمٰن ناصر

تعارف: تحقیق وجستجو میں ہمہ وقت سرگرداں تلخ ترین حقائق منظر عام پہ لانا جن کے اظہار سے بڑے بڑوں کے پر جلتے ہیں۔

--*

صحافت کے مولوی عامر لیاقت کی منافقتیں

بشکریہ:
لاہور نیوز ڈیسک

فلمی ملاں:: ’’بول‘‘ ٹی وی کے میزبان عامر لیاقت اور ان کے پروگرام کو پیمرا نے بند کر دیا ہے۔ پیمرا کے چیرمین ابصار عالم نے کہا ہے کہ کچھ لوگ ذاتی تشہیر کے لئے مذہب کا نام استعمال کر رہے ہیں اور اپنے مفاد کی خاطر اداروں کو گھسیٹا جا رہا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ نفرت انگیز مواد کو کسی بھی طور پر برداشت نہیں کیا جائے گا اور جو بھی ٹی وی چینل ایسے مواد چلائے گا اُس کے خلاف تادیبی کاروائی عمل میں لائی جائے گی۔ سپریم کورٹ نے بول ٹی وی کے پروگرام ’’ایسے نہیں چلے گا‘‘ پر پابندی عائد کر دی ہے اور ٹی وی انتظامیہ سے کہا ہے کہ تاحکم ثانی اس پروگرام پر پابندی برقرار رہے گی اور ان کو خبردار کیا کہ عدالتی حکم کے باوجود اگر مذکورہ پروگرام نشر کیا گیا تو متعلقہ چینل کے خلاف توہین عدالت کی کاروائی عمل میں لائی جائے گی عدالت سے ’’بول‘‘ کی انتظامیہ کے نمائندے سے کہا کہ وہ اس بارے میں ابھی تحریری طور پر عدالت کو آگاہ کریں جس پر انتظامیہ کے افسر عدالت مذکورہ پروگرام ’’ایسا نہیں چلے گا‘‘ کو بند کر کے یقین دہانی کروائی۔ یہ تو عدالت کی کاروائی تھی اب ہم ان کی سابقہ زندگی کے بارے میں قارئین کے کچھ گوش گزار کرتے ہیں اور اس کے اصل چہری کو بے نقاب کرتے ہیں۔ میں اسے صحافت کا مولوی کہتا ہوں چونکہ یہ تمام اس کی فطرت میں شامل ہیں جو آج کل ہمارے مولویوں نے حال کر رکھا ہے۔ ویسے تو ستم ظریفی ملک کی یہ ہے کہ ہر ادارہ ہی چاہے وہ عدلیہ ہو یا کوئی ادارہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ہر شعبہ میں مولوی ہی مولوی اور اس جیسی سوچ ہر جگہ پروان چڑھ رہی ہے۔ بہر حال عامر لیاقت سے متعلق مختصراً یہ کہ ’’بلاگز‘‘ کا مسئلہ لے کر جو اُٹھا تھا وہ اس کی موقعہ پرستی تھی۔ بڑی گرداڑی ہے اور بڑا شور وغل مچایا۔ بلاگز کا مسئلہ لے کر اب نئے انداز سے نئے ٹی وی چینل ’’بول‘‘ پہ صورت حال کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنانے اور نفرتوں کا طوفان برپا کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اس سے قبل 2015ء میں حامد میر صحافی پر کراچی میں جب قاتلانہ حملہ ہوا تب بھی اس نے واویلا مچایا اور فوج ISPR سربراہ ظہیر اسلام کے خلاف جیو گروپ کے ساتھ مل کر بُرا بھلا کہا تھا۔ بعد میں دونوں نے معافی مانگی۔ اس چینل پر صبح کی نشریات کرتے وقت ایک کالر نے جب ان سے یہ سوال کیا کہ کیا آپ نے مرزا غالب کی فلم دیکھی ہے۔ فوراً اس کی کال کاٹ دی چونکہ یہ نجی چینل پر مرزا غالب اور دیگر کے بارے میں فحش کلامی کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔ جس پر اُنہوں نے اس وقت معافی مانگ لی۔ 6 ماہ قبل کی بات ہے کہ موصوف ایک پاکستان دشمن شخص کے نفس ناطقہ بنے ہوئے تھے۔ اس کے ثبوت نہ ملے تو یہ کسی اور کو بیوقوف بنانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے مزید یہ کہ ناموس رسالت کا معاملہ الطاف حسین دو بالکل الگ اور مختلف امور ہیں لیکن دونوں کے لئے سارا جوشِ خطابت صَرف کر دینے والے یہ مولوی حضرات کی موقع پرستی کی نفسیات کو سمجھنے کے لئے یہاں اس کا تذکرہ کرنا اہم ضروری ہے۔ 2016ء میں الطاف حسین کی حمایت میں شور غوغا کسے یاد نہیں۔

اخباری کالم ہوں یا ٹی وی ٹاک شو یہ موصوف ہر جگہ اس کے سب سے بڑے وکیل بنے ہوئے تھے حتیٰ کہ 22 اگست کی رُسوا کن زہریلی تقریر کے بعد وہ الطاف حسین کی ہر جگہ زور سے وکالت کرتے رہے۔ لیکن موصوف کو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ اس وقت نہ انہیں اسلامی مملکت کی سر بلندی یاد رہی نہ ملکی سلامتی کے تقاضے۔ وہ تو اس کی وکالت میں ہر مقابل پر آنے والے کے خلاف پنجے جھاڑ کے پڑتے دکھائی دیئے۔ کیونکہ وہ اس کی آڑ میں اپنے لئے MQM کا قائد بننے کا خواب آنکھوں میں سجائے بیٹھے تھے۔ فاروق ستار اور اظہار الحسن کو حراست میں لئے جانے کے بعد تو اُن کا راستہ بظاہر صاف ہو گیا۔ تاہم جب ان کی توقع کے برعکس انہیں بھی رینجرز نے گرفتار کیا تو ان کے خوابوں کا شیش محل چکنا چور ہو گیا اور وہاں جاتے ہی ان پر الطاف حسین کی ملک دشمنی بھی آشکار ہوئی۔ اور واپس آتے ہیں انہوں نے قلابازی دکھائی ان کی صحافت کے میدان میں قلابازیاں تو بہت ہیں ان کی منافقت کے درجہ وِلیٰ کو پہنچی ہوئی حیرت انگیز شخصیت کے تمام پہلوؤں کا بتدریج کچھ خلاصہ پیش کرتا رہوں گا۔ یہاں فی الوقت تو ان کے عشقِ رسول کے حوالے سے کچھ بات کرنی ہے۔ یہ موصوف اکثر اس حوالہ سے بڑا کارنامہ بیان کرتے ہیں کہ وہ شاتم رسول سلمان رشدی کے بارے میں MQM کی پالیسی کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی وزارت اور جماعت چھوڑ دینا ہے کیونکہ انہوں نے ایرانی علماء کی جانب سے شاتم رسول سلمان رشدی کے قتل کے فتوے کی حمایت میں بیان دیا

تھا اور دوسرا جماعت احمدیہ کے خلاف نفرت آمیز جملے کہے تھے جس کے فوراً بعد نواب شاہ کے ایک آدمی نے اشتعال میں آ کر 2 احمدی افراد کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے بعد ایم کیو ایم نے اس کی حرکت کو اپنی پالیسی کے منافی قرار دیا پرویز مشرف کے دور میں جب موصوف کو وفاقی کابینہ کا وزیر بنایا گیا تھا یعنی وزیر مملکت یعنی ان کی اونچی اونچی آشاؤں تمناؤں کے مطابق نہ تھا۔ ایسے میں ان کے محکمے کے مکمل وزیر اعجاز الحق جو بڑے ہی باا ثر اور متحرک آدمی تھے انہوں نے مولوی موصوف کو اپنے قانونی اختیار کی حد میں ہی رکھا اور ایسے اا اختیارات کو استعمال نہیں کرنے دیا کہ جس سے وہ اپنی ذاتی خواہشات کو پورا کرتے ۔لہذا یہاں یہ اپنی وزارت سے مزہ لئے بغیر ہی رُخصت ہو گئے پھر یہ موصوف اپنی سابقہ میڈیا کی دنیا میں لوٹ آئے جہاں ان کے بے پناہ ناز اُٹھانے والے تھے کیونکہ وہ شہر کی سب سے طاقتور تنظیم کے کنویز شیخ لیاقت حسین کے فرزند تھے۔ ان کے ابا جی پر بھی کئی سوالیہ نشان ہیں یہ پھر بھی۔ بہر حال ابا جی کے کنویز ہونے کے باوجود ایم کیو ایم جیسی تنظیم سے گلو خلاصی کسی بڑے تماشے کے بغیر ممکن نہ تھی ان کی منافقت کا یہ سلسلہ مزید آشکار اس وقت ہوا جب موصوف نے گذشتہ 10 سال میڈیا لائف انجوائے کرنے کے بعد پھر جب دوبارہ اسی MQM میں شمولیت اختیار کر لی جس سے وہ بقول ناموس رسالت پہ ان کی وجہ سے علیحدہ ہو گئے تھے حالانکہ کبھی موقعہ پر MQM کی پالیسی میکر الطاف حسین نے کسی ایسی بات پہ ادنٰی سی معذرت نہیں کی۔ اور یہ بھی ریکارڈ کی بات ہے کہ شان رسالت اور توہین رسالت جیسے معاملے کو اپنی سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے کسی حد تک گر سکتے ہیں اب وہ پھر ایک حساس موضوع کو لئے اپنی دوکان سجائے بیٹھے ہیں کہ جیسے وہ رمضان میں 10 بجے شب تک اپنی دوکان سجائے لوگوں کو نماز تراویح سے بھی دور کرنے میں منہمک دکھائی دیتے ہیں اس رمضان ٹرانسمیشن پروگرام میں کیا کیا گل کھلائے ہیں اس میں جو فحاشی کا پرچار کا اس پر مولوی حضرات نے ان کے خلاف فتوے دیئے جیو ٹی وی کو یہ موصوف کیا اکیلا چھوڑ آئے یہ بھی اندر کی کہانی ہے کسی وقت اس کا بھی راز فاش کریں گے۔ اب نئے چینل ''بول'' پہ علماء ان کے سامنے بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ کس حد تک قابل احترام ہیں لیکن اپنے پسندیدہ جواب کے حصول کے لئے ان کے منہ میں اپنے الفاظ ڈالنے کی اپنی بھر پور کوشش کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے بلا کا زورِ بیان اور کمال کا جوشِ خطابت صرف کرتے سنے اور دیکھے جا رہے ہیں لیکن اب تک ایک سیدھی صاف بات سے وہ مسلسل وہ بھاگ رہے ہیں اور وہ یہ ثابت کر دیں کہ ان'' بلاگرز'' کا ان مذموم (پیجز) سے واقعی کوئی تعلق تھا۔ یہ تعلق ثابت ہوئے بغیر تو ان لوگوں کی سزا یابی ممکن ہی نہیں ہے؟ لیکن یہ صحافت کا مولوی اس سیدھی سی بات پر آنے کی بجائے منہ سے روز جھاگ نکال رہا ہے ان علماء کو بھی چاہیے کہ وہ موصوف سے ان کے دعووں کے ثبوت طلب کریں ورنہ ان کی علمیت اور ان کی تعلیمات پہ سوالیہ نشانات اُٹھ سکتے ہیں۔ ایسا نہ ہو ان کے ٹی وی پر آنے کا شوق عوام کی نظروں میں انہیں گرا دے صحافت کے اس مولوی پر تو اس کی علمی قابلیت پر پہلے ہی سوالیہ نشان ہے۔ جس طرح موصوف نے اور ان کی بیگم نے جعلی ڈگریاں حاصل کیں (ایکزیٹ کمپٹی بول) کے مالک دفتر پر جب چھاپہ پڑا تو تب یہ راز فاش ہوا۔ اُس وقت کے ڈائریکٹر FIA شاہد لطیف نے ان سے تحقیقات کیں تب انہوں نے اپنے زندگی کا پہلا سچ بولا ڈر کر کہ یہ واقعی جعلی ڈگریاں ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ جس عظیم ہستی کی ناموس رسالت کے حوالے سے باتیں کی جا رہی ہیں اور قرآن کی تعلیمات کا خلاصہ تو یہ جو قرآن کی آیت (النحل 19) میں بیان ہوا ہے۔

ترجمہ:''یقیناً اللہ عدل کا اور احسان کا اور اقرباء پر کی جانے والی عطا کی طرح عطا کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور ناپسندیدہ اور بغاوت سے منع کرتا ہے ۔وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم عبرت حاصل کرو۔'' آج اگر ہم نے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں تمام بنی نوع انسان بالخصوص پاکستان کو عدل سے روشناس نہ کرایا تو ہم گمراہی اور جہالت کے اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے اور انسان ایسے مولویوں کے ہاتھوں شدید اذیت اُٹھاتا رہے گا۔ علاوہ ازیں قرآن کا یہ اصول ہے کہ قیامت کے دن جب انسان کی جواب طلبی ہو گی وہ محض فرشتوں کی گواہی کے مطابق نہیں ہو گی۔ بلکہ ہر انسان کے بدن کے اعضا بھی اپنے جرم کا اقبال کریں گے۔ اس روز آدمی خود اقبال جرم کر رہا ہو گا۔ قرآن کریم کا نظام عدل بڑا مضبوط ہے گواہیاں ہوں گی اور اس میں مرزا غالب کے اس شاعرانہ تخیل کا بھی جواب آ گیا کہ

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پہ ناحق
آدمی کوئی ہمارا بھی دمِ تحریر بھی تھا؟

لہٰذا یہ ہماری انتہائی اہم ذمہ داری اور فریضہ ہے کہ ہم عدل مطلق کے اس قرآن اصول کو روشناس کرائیں بلکہ حکومت اور حکمرانوں پر لازم ہے کہ اس ضمن میں فوری ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کرے جو اس معاملے کی جملہ تفصیلات طشت از بام کر دے۔

(بشکریہ نیولا ہور نیوز ڈیسک)

(ڈاکٹر طارق احمد
مرزا-آسٹریلیا)

وَاِذَاالصُّحُفُ نُشِرَتۡ

عظیم الشان قرآنی پیشگوئی اور ’’مردہ‘‘ صحیفوں کا احیاء

آیۂ قرآنی وَاِذَاالصُّحُفُ نُشِرَتۡ

(اور جب صحیفے نشر کئے جائیں گے،

(سورہ التکویر آیت 11) سے مراد صحیفوں ،کتابوں،رسائل واخبار کی وسیع اشاعت کر کے ان کا پھیلایا جانا، ان کا کھولا جانا اور یا پھر مردہ صحیفوں کا پھر سے زندہ کیا جانا ہوسکتا ہے اور اس زمانہ میں یہ پیشگوئی تینوں انداز میں پوری ہوگئی ہے۔جیسا کہ اکثر لوگ جانتے ہیں، قدیم مصری زبان تصاویر کی مدد سے لکھی جاتی تھی جنہیں ’’ہیرو گلیف‘‘ Hieroglyphs کہا جاتا ہے۔

جدید دور میں اہرام مصر اور دیگر آثار قدیمہ میں سے اس تصویری زبان میں لکھے گئے کتنے ہی مخطوطے اور دستاویزات برآمد ہوئے جو ایک طویل عرصہ تک ایک معمہ ہی بنے رہے حتیٰ کہ سن 1799ء اور پھر انیسویں صدی عیسوی میں یکے بعد دیگرے چند پتھروں پہ کندہ ایسی دستاویزات دریافت ہوئیں جنھوں نے ماہرین لسانیات کے لئے ایک کلید یا لغت کا کام کیا کیونکہ ان پر لکھی ہوئی عبارتیں صرف ہیروگلیف رسم تحریر میں ہی نہ تھیں بلکہ ان پر دو اور زبانوں (قدیم یونانی اور دیموطیقی Demotic) میں ان کا لفظی ترجمہ بھی درج تھا۔یہ دستاویزات مصر کے بطلیموسی (Ptolemaic Era) دور حکومت سے تعلق رکھتی ہیں جو 305 تا 30 سال قبل مسیح کا زمانہ ہے۔یہ وہ دور ہے جب قدیم مصری ’’ہیروگلیفی‘‘ رسم تحریر بھی رائج تھی اور ساتھ ہی قدیم یونانی زبان بھی جو کہ سکندر اعظم اور اس کے عمال نے مصر میں متعارف کروا دی تھی۔ دیموطیقی Demotic رسم الخط تصویری رسم الخط ’’ہیروگلیف‘‘ کی ترقی یافتہ شکل ہے جس میں بتدریج تصویروں کی جگہ علامات اور پھر علامات کی جگہ حروف ابجد نے لے لی تھی۔یہ قدیم رسم الخط عربی کی طرح دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا اور قدیم فراعن مصر کے دور میں ہی ایجاد ہو چکا تھا۔ماہرین کے مطابق اسی

رسم الخط اور زبان کی کوکھ سے بعد ازاں مصر میں قبطی (Coptic) زبان نے جنم لیا جو آجکل رومن ابجد میں لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔اس کے حوالے سے مصری عیسائیوں کا ایک فرقہ Coptic Church بھی مشہور ہے۔

ان قدیم دستاویزات کی گتھیاں سلجھانا کوئی آسان کام نہ تھا۔اس کام میں ماہرین آثار قدیمہ کی عمریں صرف ہوگئیں۔ بیک وقت تین زبانوں پہ مشتمل دستاویزات کے حامل ان پتھروں میں

سب سے زیادہ شہرت ’’سنگ رشید‘‘ (Rosetta Stone) کو ملی ہے کیونکہ یہ سب سے پہلے دریافت ہوا تھا۔ترکی کی سلطنت عثمانیہ،فرانس اور برطانیہ میں ہونے والے ایک جنگی معاہدے کے بعد اس پتھر کو جو تقریباً چارفٹ لمبا اور دو فٹ چوڑا ہے،1802ء میں بالآخر برٹش میوزیم میں لایا گیا جہاں یہ موجود ہے۔اس کی کئی نقلیں تیار کرکے مختلف ممالک کے ماہرین کو بھجوائی گئیں جو اسی پتھر کو بطور ’’پرنٹنگ بلاک‘‘ استعمال کرکے تیار کی گئی تھیں۔خود اس پتھر پہ کندہ عبارات کی ایسی نقول بھی بعد میں دریافت ہوئی ہیں جو اس کے ساتھ ہی 196 قبل مسیح میں) تیار کی گئی تھیں۔وہ بھی پتھروں پر کندہ شدہ ہیں۔

(بحوالہ: آزاد دائرۃ المعارف وِکی پیڈیا)

مصر کے آثار قدیمہ سے دستیاب ہونے والی دستاویزات کا اب جدید زبانوں میں ترجمہ اور ان کی اشاعت کا کام جاری ہے جس سے ہمیں اس دور کی روایات، تاریخ اور مذہبی وغیر مذہبی رسوم ورواج کے بارہ میں بہت کچھ معلوم ہوسکا ہے۔اب تو مصر کی ان قدیم ’’مردہ‘‘ زبانوں کی گرامر بھی مرتب کی جارہی ہے اور ایسے ٹائپ رائٹر (Phonetic Key Board) بھی تیار ہو چکے ہیں جن کے ذریعہ آج کل کوئی بھی شخص قدیم مصری رسم الخط میں اپنا نام پتہ خط وغیرہ لکھ سکتا ہے۔

بیسویں صدی میں نہ صرف مصری بلکہ دنیا کے دیگر براعظموں سے دریافت شدہ ہیروگلیفی آثار پر بھی نمایاں کام ہوا ہے اس سلسلہ میں قدیم مایا تہذیب (Maya civilization) کے، جو موجودہ میکسیکو سے لے کر گوئٹے مالا تک کے علاقہ میں آج سے دس ہزار تا دو ہزار سال قبل تک پھلتی پھولتی رہی، چھوڑے ہوئے صحیفے بھی قابل ذکر ہیں جو بڑی حد تک پڑھے اور ترجمہ کئے جاچکے ہیں۔ یہ صحائف ان کی اپنی علامتی اور تصویری زبان (Mayan glyphs) میں ہیں۔

یہاں یہ بیان کرنا بھی مناسب ہوگا کہ عیسائی مشنریوں نے مبینہ طور پر مایا تہذیب کی بے شمار دستاویزات نہایت بیدردی سے تلف کردی تھیں۔ اس کے برعکس اسلامی تاریخ کی بعض روایات کے مطابق آٹھویں صدی عیسوی کے مشہور صوفی بزرگ حضرت ذوالنون مصریؒ اور اسی طرح نوویں صدی کے ایک مسلمان عالم ابوبکر احمد ابن وحشیہ کلدانی نے دورِ فراعنہ کے قدیم ہیروگلیفی رسم الخط پہ باقاعدہ تحقیق کی (جبکہ مصر میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوچکی تھی) اور بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے اس زبان کی ابجد عربی میں ترجمہ بھی کر لی تھی مگر زمانے کی ترجیحات مختلف ہونے کی وجہ سے یہ علم ان کے بعد مزید ترقی نہ پاسکا۔ یہ کام اکمل طور پر قرآنی پیشگوئی وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَت کے تحت اس ''دورِ آخر'' میں ہی ہونا مقدر تھا! ☆☆☆☆

قیمتی معلومات۔ ثقلین مبارک

☆ سائنسدانوں کے مطابق ٹھنڈا پانی گرم پانی سے کچھ زیادہ ہلکا ہوتا ہے۔

☆ فرعون کے زمانہ میں مصر میں ہفتہ 10 دنوں کا ہوتا تھا۔

☆ تتلی کے چکھنے کی حس اس کے پچھلے پاؤں میں ہوتی ہے۔

☆ دنیا کی سب سے طویل جنگ فرانس اور برطانیہ کے درمیان ہوئی تھی یہ جنگ 1338ء میں شروع ہوئی تھی اور 1453ء کو ختم ہوئی یعنی 115 سال جاری رہی تھی۔

☆ تمام پھلوں اور سبزوں کی نسبت تیز مرچ میں وٹامن سی کی مقدار سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

☆ دنیا کے ہر شخص کے اوسط فون کی تعداد 1140 ہے۔

☆ قطب شمالی کے آسمان سے سال کے 186 دن تک مکمل طور پر سورج غائب رہتا ہے۔

☆ دنیا کے سب سے بڑی چھپکلی کا نام موروڈریگون ہے اس کی لمبائی ساڑھے تین میٹر ہے اور یہ انڈونیشیا میں ہے اس کا وزن 135 کلوگرام ہے اور یہ زمین پر دوڑتی ہے۔

☆ فلیشیا ارنولڈی دنیا میں سب سے بڑا پھول ہے جس کا وزن 15 پاؤنڈ ہوتا ہے اور یہ صرف انڈونیشیا کے ساٹرا بورنیو جزیرے میں پایا جاتا ہے اس کی پنکھڑیاں 1.6 فٹ طویل اور ایک انچ تک موٹی ہوتی ہیں۔

☆ تاریخ میں بیت القدس شہر پر 24 مرتبہ قبضہ کیا گیا۔

☆ گھوڑا، بلی اور خرگوش کے سننے کی طاقت انسان سے زیادہ ہوتی ہے یہ کمزور سے کمزور آواز سننے کے لئے اپنے اعضاء ہلا سکتے ہیں۔

☆ تیل کا سب سے پہلا کنواں پینسلوانیا امریکہ میں 1859ء میں کھودا گیا تھا۔

☆ ہٹلر برلن کا نام بدل کر جرمینیا رکھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

☆ دنیا کے سب سے زیادہ پہاڑ سوئٹزرلینڈ میں پائے جاتے ہیں۔

☆ مثانے میں پتھری کو توڑنے کا خیال سب سے پہلے عرب طبیبوں کو آیا تھا۔

☆ نظام شمسی کے تمام سیارے اپنے گرد مغرب سے مشرق کی سمت چکر کھاتے ہیں سوائے زہرہ کے جو مشرق سے مغرب کی سمت چکر کھاتا ہے۔

☆ کچھوا مکھی اور سانپ بہرے ہوتے ہیں۔

☆ سانپ کے بارے میں جو قیاس ہے وہ دراصل بین کی حرکت پر ہی حرکت کرتا ہے۔

☆ دنیا کا سب سے بڑا پارک کینڈا میں ہے۔

☆ مثانے میں پتھری کو توڑنے کا خیال سب سیپ ہلے عرب طبیبوں کو آیا تھا۔

☆ مثانے میں پتھری کو توڑنے کا خیال سب سے پہلے عرب طبیبوں کو آیا تھا۔

☆ نظام شمسی کے تمام سیارے اپنے گرد مغرب سے مشرق کی سمت چکر کھاتے ہیں سوائے زہرہ کے جو مشرق سے مغرب کی سمت چکر کھاتا ہے۔

☆ کچھوا مکھی اور سانپ بہرے ہوتے ہیں۔

☆ سانپ کے بارے میں جو قیاس ہے وہ دراصل بین کی حرکت پر ہی حرکت کرتا ہے۔

☆ دنیا کا سب سے بڑا پارک کینڈا میں ہے۔

ایک احمدی شہری پر نہیں، پاکستان کی روح پر حملہ

از۔سید مجاہد علی۔ مرسلہ: اے۔آر۔راجپوت

آج نشانہ باندھ کر ایک اور احمدی کو قتل کر دیا گیا۔ پاکستان میں وزیر اعظم کی طرف سے اقلیتی عقیدہ کے لوگوں کو تحفظ فراہم کرنے کے وعدہ کی اس سے زیادہ توہین اور کیا ہوسکتی ہے۔لشکر جھنگوی نے اس حملہ کی ذمہ داری قبول کر لی ہے اور کہا ہے کہ چونکہ ننکانہ صاحب میں ہلاک کئے جانے والے ملک سلیم الطاف ایڈووکیٹ احمدی عقائد پھیلاتے تھے، اس لئے انہیں مار دیا گیا ہے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ انہوں نے حملہ آور کی نشاندہی کر لی ہے لیکن نہ تو اسے گرفتار کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حملہ کا مقصد کیا ہے۔ تاہم اس قتل کے بعد ملک میں اقلیتی عقائد رکھنے والوں میں خوف و ہراس میں اضافہ ہوگا اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حکومت اپنے وعدوں اور فوج انتہا پسندوں کے خلاف شروع کئے گئے متعدد آپریشنز کے باوجود ان عناصر کا قلع قمع کرنے میں ناکام ہیں جو ملک میں اقلیتی مذاہب کا جینا دُوبھر کرنے کا قصد کئے ہوئے ہیں۔ دنیا کا کوئی مہذب ملک اس صورتحال کو قبول نہیں کر سکتا۔ اکثر معاشروں میں اقلیتوں کے بارے میں تعصّبات کا اظہار ہوتا ہے اور ان کے عقائد یا روّیوں کے بارے میں مباحث بھی سامنے آتے ہیں لیکن کوئی ملک کسی گروہ یا فرد کو قانون ہاتھ میں لینے اور اقلیتوں کے خلاف نفرت پھیلانے اور ان کے خلاف تشدد استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

پاکستان میں بھی تشدد کا استعمال منع ہے۔ ریاست اس بات کا اعزاز لے سکتی ہے کہ مذہبی گروہوں کے دباؤ کے باوجود سابق گورنر سلمان تاثیر کے قاتل ممتاز قادری کو پھانسی کی سزا دے دی گئی۔ تاہم کوئی قانون ایک مجرم کو فرشتہ ثابت کرنے والوں کی زبانیں روکنے میں کامیاب نہیں ہے۔ قادری کے حامیوں نے اس کا مقبرہ بنایا اور رفتہ رفتہ اسے ایسے مذہبی رُتبہ پر فائز کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو اللہ کے برگزیدہ لوگوں کو ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ ممتاز قادری اب اپنے اعمال کی سزا پا کر اپنے رب کے پاس پہنچ چکا ہے۔ اس کی جزا اور سزا کا فیصلہ روز قیامت ہی ہوگا لیکن ملک میں جو لوگ ممتاز قادری کے نام کو مذہبی صداقت اور ایثار کی مثال بنا کر پیش کرتے ہیں اور اس کا ذکر کر کے اپنی دکان چمکانے میں مصروف ہیں... پاکستان کی حکومت ان کے خلاف کوئی قدم اُٹھانے میں ناکام ہے۔ یہ لوگ کھلے عام ریاست، اس کے اداروں اور ملک کے رہنماؤں کے بارے میں ہتک آمیز اور نفرت انگیز بیان جاری کرتے ہیں لیکن انہیں قومی ایکشن پلان پر عملدر آمد کے دعوؤں کے باوجود ایسا کرنے کی پوری آزادی ہے۔ پاکستان آزادی اظہار رائے کے حوالے سے کوئی آئیڈیل معاشرہ نہیں کہ اس ملک کے لیڈر یہ دعویٰ کر سکیں کہ ملک کے قانون کے تحت اپنے نظریات وخیالات کا اظہار کرنے والوں کے خلاف اقدام نہیں کر سکتے۔ یوں بھی نفرت پھیلانا، تشدد پر اُکسانا اور لوگوں کیلئے نقصان کا سبب بننا کسی بھی معاشرے میں قابل قبول فعل نہیں۔ اس کے باوجود پاکستان کے مذہبی گروہوں کو من مانی کرنے اور حکومتی اعلانات کو مسترد کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ مذہبی گروہوں کے اس باغیانہ چلن اور حکومت کی طرف سے ان کی روک تھام کرنے میں کوتاہی نے ملک کو تصادم اور انتشار کا مسکن بنا دیا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ملک اس وقت دہشت گردوں کی لپیٹ میں ہے۔ یہ دہشت گرد مختلف سیاسی ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ حکومت ایسے شواہد سامنے لاتی رہتی ہے جن میں بتایا جاتا ہے کہ ایسے بعض گروہوں کو بھارت اپنے مقاصد کیلئے استعمال کر رہا ہے اور کوئی افغانستان کی خفیہ ایجنسی کے ایما پر پاکستان میں مسلسل دہشت اور تباہ کاری جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان سب عناصر کو ملک کے اندر سہولت کار اور ہمدرد اسی لئے فراہم ہوتے ہیں کیونکہ یہاں مذہب کو نفرت پھیلانے کا ذریعہ بنانے کا حق تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اسی لئے کسی پارٹی کا ممبر قومی اسمبلی سیکولر خیالات رکھنے والوں کو ملک بدر کرنا چاہتا ہے اور کوئی لبرل نظریات کے اظہار کو قومی اساس کے خلاف بتا کر ایسے لوگوں کو گردن زدنی قرار دیتا ہے۔ نفرت کے رویے معاشرے میں اس قدر راسخ ہو چکے ہیں کہ انہیں ختم کرنے اور باہم احترام کی فضا پیدا کرنے کے لئے صرف علما سے بیانیہ بدلنے کی درخواست کرنا کافی نہیں۔ حکومت کا فرض ہے کہ نظریہ اور عقیدہ کی بنیاد پر کسی بھی مذہب، فرقہ یا عقیدہ کے لوگوں کے خلاف نفرت انگیز، ہتک آمیز اور اشتعال پیدا کرنے والی گفتگو کرنے والوں کی روک تھام کا اہتمام کرے۔ اس سے زیادہ شرم اور افسوس کا مقام اور کیا ہوسکتا ہے کہ ملک کے ممتاز دانشور کی شہرت رکھنے والا، ٹیلی ویژن پر پروگرام کی میزبانی کرنے والا اور قومی اخبار میں کالم نگاری کرنے والا ایک شخص ہمسایہ ملک کی ہندو اکثریت کے عقائد کا تمسخر اُڑانے کیلئے گائے کا مذکر تلاش کرنے کی تگ و دو کرتا ہے اور اسے عقل و دانش سے بھرپور طرز کلام سمجھا جاتا ہے۔ نہ سماج کے مہذب لوگ اس روّیہ کو مسترد کرتے ہیں اور نہ کوئی سرکاری ادارہ اس یاوہ گوئی پر حرکت میں آتا ہے۔ ایسے میں نفرت کا سراغ لگانے کیلئے زیادہ جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں ہوسکتی۔ کسی اخبار کے صفحے پلٹے جا سکتے ہیں یا ٹیلی ویژن پر علم و دانش کے گوہر بکھیرتے عالم فاضل اینکرز کے واعظ نما انداز پیشکش پر غور کیا جاسکتا ہے۔ کسی بھی محلے کی مسجد کا امام یا کسی اجتماع سے خطاب کرنے والا مبلغ کسی دوسرے فرقے یا عقیدے کا مذاق اُڑائے بغیر اپنی بات مکمل نہیں کر سکتا۔ کیا پاکستان میں آباد مسلمان ایک گروہ کے طور پر یہ ثابت کرنے پر تلے ہیں کہ وہ اس وقت تک اپنے عقیدے کی سچائی ثابت نہیں کر سکتے جب تک دوسرے عقائد کو مسترد کرتے ہوئے ان کے خلاف بھرپور نفرت کا اظہار نہ کریں۔ یہ روّیہ تو شکست خوردگی کا رویہ ہے۔ کیا اس ملک کے مسلمانوں کا ایمان اتنا کمزور اور اپنے عقیدہ پر ان کی دسترس اس قدر کمتر ہے کہ وہ گالی اور انکار کے بغیر خود کو ہی یہ یقین دلانے میں کامیاب نہیں ہوتے کہ ان کا عقیدہ سچ، حق اور رہنما ہے۔ اس صورتحال میں احمدی عقیدہ سے تعلق رکھنے والوں کو سنگین ترین حالات کا سامنا ہے۔ پہلے ان کے عقیدہ کو اسلام سے خارج قرار دینے کیلئے آئین میں ترمیم کی گئی۔ پھر مسلمانوں کے طریقے سے بات کرنے، سلام لینے، قرآن کو اپنی کتاب کہنے اور اسی قسم کے افعال پر گرفت کرنے اور سزا دینے کا اہتمام کیا گیا۔ اس پر بھی تسلی نہیں ہوئی تو مسلسل احمدیوں کے خلاف نفرت اور تعصب کا پرچار کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ احمدی اگر گمراہ ہو چکے ہیں اور آپ اس کا اعلان کر چکے ہیں تو ملک کے معمولی پیش امام سے لے کر اعلیٰ مرتبے پر فائز عالم دین تسلسل سے احمدیوں کے خلاف دُشنام طرازی کیوں ضروری سمجھتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں وزیر اعظم اقلیتوں کی حفاظت کا ذمہ دار ہونے کا اقرار کرتا ہے اور حکومت نفرت کا پرچار روکنے کیلئے قومی ایکشن پلان کو رہنما اصول مانتی ہے... نفرت کو ہی ہتھکنڈہ بنانے والے مذہبی لیڈر کیوں احترام اور اعزاز پاتے ہیں اور قانون یا سیاست کیوں انہیں اس قسم کی زہر افشانی سے نہیں روک سکتی۔ ضروری ہے کہ یہ طے کر لیا جائے کہ پاکستان میں مسلمانوں کے علاوہ کسی عقیدہ کو رہنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اگر یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا تو کیا اس سے یہ مراد لی جائے کہ یہاں مسلمانوں کے علاوہ کسی عقیدہ سے تعلق رکھنے والوں کو رہنے کا حق نہیں۔ عملی طور پر اس کا اظہار روزانہ کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، تو کیا مضائقہ ہے کہ ملک کے آئین و دستور میں بھی اس اصول کو روشن الفاظ میں لکھ دیا جائے۔ تب کم از کم کوئی یہ تقاضہ تو نہیں کرے گا کہ دوسرے عقائد کا احترام کرنا ہر مہذب انسان کا فرض ہے۔ اور یہ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح تک نے اس کا درس دیا ہے۔ پاکستان پر مسلمانوں کا حق تسلیم کرتے ہوئے دیگر عقائد کا استحقاق مسترد کر دیا جائے تو کم از کم کوئی ملاں برما کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر مگرمچھ کے آنسو تو بہانے سے گریز کرے گا اور تب دنیا کے ڈیڑھ سو سے زائد ملک پاکستان کی مثال دے کر اپنے ہاں آباد مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کرنے کا اعلان کر سکیں گے جو ہم اقلیتی عقائد کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ اور اگر یہ سب نہیں ہوسکتا۔ اگر اس ملک میں سب نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر اور خود کو جہالت اور گمراہی کے سپرد نہیں کیا ہے تو ہر اس قتل پر آواز اُٹھنی چاہیئے جو اندھے عقیدہ کے نام پر ناحق سرزد ہوتا ہے۔ آج ننکانہ صاحب میں ہونے والا قتل ایک فرد کی ہلاکت نہیں ہے۔ یہ پاکستان کی رُوح پر وار ہے۔ قطرہ قطرہ پاکستان کی جان لینے کا عمل ہے۔ یہ نفرت ہے، دہشت ہے اور منافقت ہے۔ زندہ رہنا ہے، آگے بڑھنا ہے، مرنے کے بعد اپنے اللہ کو منہ دکھانا ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے بہرہ ور ہونا ہے تو اس شقاوت سے اجتناب کرنا ہوگا۔